پروازِ تخیّل

وحید مسافر

عزیزی سلیم سالک صاحب
کی خدمت میں ادنیٰ سا تحفہ پیش
کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ امید ہے قبول فرمائیں گے۔
وحید سا[illegible]

پروازِ تخیّل

وحید مسافرؔ

ISBN: 81-89575-15-5

نام کتاب : پروازِ تخیّل

مصنّف : وحید مسافر

نام : عبدالوحید قریشی

سالِ اشاعت : ۲۰۱۲ء

تعداد : ۵۰۰

قیمت : ۳۰۰/-

کمپوزنگ : عبدالرشید (Mob. No. 9990972397)

سرورق : بنت زینب

ناشر : توحید پبلی کیشن، سرینگر، جموں وکشمیر

Tauheed Publication, Srinagar, J&K

(M)09419064259

طباعت : اردو بک سوسائٹی، دریا گنج، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲

کتاب ملنے کے پتے:

○ میزان بک ڈپو، بٹ مائو، سری نگر، کشمیر

○ بذریعۂ فون: 9419064259

Urdu Book Society

922, Kucha Rohilla, Daryagang, New Delhi-110002

Email: urdubook.society@gmail.com

Mob. 09990422798, Ph.: 011-32662433

اسلامی شاعری

انتساب

جن کی رفاقتوں سے میں نے کی ابتدا
ہوں گے کبھی نہیں وہ دل سے مرے جُدا

اپنے مرحوم والد صاحب اور اپنی والدہ محترمہ کے نام
جن کی شفقت نے مجھے صحیح تربیت سے نوازا
مزید برآں میری رفیقِ حیات اور عزیزی فرزند ڈاکٹر یاسر وحید قریشی
مع دختر زینت قریشی و دختر ڈاکٹر رخسانہ قریشی جن کی مساعیِ جمیلہ سے
میری کتاب کی اجرا ممکن ہو سکی! ان سب کے نام ——!

"پرواز تخیل"

وحید مسافر
سرینگر، کشمیر

تقریظ

وحید مسافرؔ ادب کے میدان میں نو وارد نہیں، وہ ایک مدتِ دراز سے شعر گوئی کر رہے ہیں۔ ہاں یہ بات ضروری ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری کو سنجیدگی کے ساتھ نہیں لیا اور اس کی طرف وہ توجہ نہ دی جو اکثر شعراء کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ وہ اب ملازمت سے فارغ ہو گئے اس لئے اب وہ اپنی شاعری کو سنجیدگی سے دیکھ اور لکھ رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ مجموعۂ کلام ہے جسے انہوں نے شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ اُن کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں اُن کے ابتدائی دور کا کلام بھی ہے اور بالکل تازہ کلام بھی۔ اس شعری مجموعہ ''پروازِ تخیل'' میں غزلیات کے علاوہ نعتیں بھی شامل ہیں۔

وحید مسافرؔ بنیادی طور پر غزلوں کے شاعر ہیں۔ انہیں نہ جدیدیت کے خانے میں رکھا جا سکتا ہے اور نہ مابعد جدیدیت کے خانے میں۔ وہ غزل کی روایت سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ ذہنی طور اس سے جڑے ہوئے بھی ہیں:

خاک کا پُتلا تھا پہلے اور انساں ہو گیا
آدمی اب آدمی کا دُشمنِ جاں ہوگا
وہ زمانہ تھا مسافرؔ آشتی اور امن کا
یہ زمانہ اب تو یارو ایک زنداں ہو گیا

جب میں کہتا ہوں کہ وہ روایت سے انحراف کرنے والے نہیں بلکہ اس کا احترام کرنے والے شاعر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی شاعری میں زبان کی کوئی شکست وریخت دکھائی نہیں دیتی، کوئی پیچیدہ بیانی بھی نظر نہیں آتی۔ وحید مسافرؔ بات کو گھما پھرا کر نہیں کہتے وہ جو محسوس کرتے ہیں یا جو کچھ کہنا چاہتے ہیں سیدھے سادھے انداز میں کہتے ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

اوپر کے اشعار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وحید اپنی ذات کی چار دیواری میں قید اپنے گرد و پیش سے لاتعلق ہرگز نہیں۔ وہ اپنے ماحول اور گرد و پیش میں رونما ہونے والے

واقعات سے باخبر ہی نہیں ان سے متاثر بھی ہیں:

گناہوں کی حد میں یہ سب خشک و تر ہے
ہوس سے بھری اس لئے ہر نظر ہے

اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھئے
جھانکئے خود دل کے اندر دیکھئے

نشانی جس کی لے کر تم چلے ہو
وہ اب شہر میں رہتا کہاں ہے؟

ترے باغِ ارم میں پھول ہر سو ہیں کھلے لیکن
مگر مالی نے تحفے میں فقط کانٹا دیا مجھ کو

قطرۂ شبنم سے سارا جسم اپنا جل گیا
چاندنی کی شعلہ سامانی سے تم بچ کر چلو

اس مجموعے میں اس طرح کے بے شمار اچھے اشعار ہیں جن سے آپ محظوظ ہو سکتے ہیں۔

وحید مسافر کی مادری زبان اردو نہیں، کشمیری ہے۔ اردو کشمیریوں کی دوسری مادری زبان کی طرح ہے۔ اکثر کشمیری ادیب کشمیری کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی اپنا وسیلۂ اظہار بناتے ہیں۔ وحید مسافر نے اردو کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہے۔ انہوں نے تخلیقی اظہار کے لئے تمام اصنافِ سخن میں صرف غزل کا انتخاب کیا ہے۔ غزل ایک ایسی صنف سخن ہے جو بحور و اوزان کی پابندی کا تقاضا کرتی ہے۔ وحید نے کہیں کہیں اس بات کو نظر انداز کیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ وحید مسافر کے پہلے شعری مجموعے کی ادبی حلقوں میں پذیرائی ہوگی۔

رفیق راز

باغات برزلہ، سرینگر، کشمیر

حرفِ چند

عرصۂ دراز سے میری یہ خواہش تھی کہ میں اپنے خیالات کو کتاب کی صورت میں پیش کروں، لیکن وقت کے ناگوار حالات نے ایسا کرنے کا موقع تا ایں دم فراہم نہیں کیا۔
اس کوشش میں میرا حوصلہ بلند کرنے کے لیے میرے گھر والوں کا ساتھ میرے کام آیا۔
میری تمنا کو عملانے میں جس شخصیت نے میرا حوصلہ بلند کیا وہ عزت مآب ہستی میرا دوست اور استاد جناب مظفر ایرج صاحب ہیں، جن کی بدولت میرا حوصلہ پرواز کرتا گیا اور آج میں اس قابل ہوگیا کہ آپ کے ہاتھوں میں میری یہ ادنیٰ سی کوشش شعری مجموعے کی صورت میں ہے۔ مجھے شعری مجموعہ شائع کرنے میں جن اصحاب نے بلند حوصلہ دینے کی سعی کی ان اصحاب کا یہاں ذکر نہ کرنا میرے ضمیر کی ناپختگی ہوگی، وہ اصحاب ہیں مرحوم فریدؔ پربتی، جناب پرویز مانوسؔ صاحب، جناب سلیم سالک صاحب، جناب عشاق کشتواڑی صاحب، جناب شام طالب صاحب، جناب سلیم ساگر صاحب، جناب امین بانہالی صاحب، جناب بیتاب صاحب، جناب خورشید کاظمی صاحب، جناب لیاقت جعفری صاحب، جناب ساگر بدرواہی صاحب وغیرہ۔ ان مندرجہ بالا شخصیات کی کم وبیش حوصلہ افزائی نے میری کوشش کو اپنی پختگیِ تخیّل سے نواز کر مجھے حوصلہ عطا فرمایا۔ درحقیقت میں اردو زبان سے اتنا واقف نہیں تھا لیکن میرے شوقِ دیرینہ نے مجھے اس عمل کے لیے اُکسایا اور میں اردو کے حوالے سے ایک کتاب کی تکمیل کرسکا۔
مزید برآں میری اوّلین کوشش میں میرا حوصلہ بلند کرنے کے لیے میرے والد

مرحوم مولانا احمد اللہ قریشی کا ہاتھ شاملِ حال رہا۔ میرا تخلص مسافر بھی اُن کی وجہ سے ایک حدیثِ مبارک سے حاصل شدہ ہے۔ ترجمہ: ''دنیا میں ایک راہ گیر یا مسافر کی طرح رہو''۔ وہ عربی کے اسکالر کے علاوہ ایک استاد کی حیثیت سے عزت کا نام حاصل کر چکے ہیں۔

میری اس کوشش میں میرے حوصلوں کو بلند کرنے کی ایک اور وجہ میری اہلیہ محترمہ کا ہاتھ بھی رہا، جس کا میں کافی مشکور ہوں۔

میری حوصلہ افزائی میں میرے بچوں کا عمل دخل رہا ہے۔ میرے بیٹے ڈاکٹر یاسر وحید قریشی کے علاوہ دو بیٹیوں کے حوصلے نے میری آرزو کو پورا کرنے میں دل و جان سے ساتھ دیا۔

اس حقیقت سے سارے اردو نواز حضرات واقف ہیں کہ اس جہاں میں کوئی مکمّل نہیں جس کا ثبوت تنقیدی تحریرات سے ملتا ہے۔ کتنا بہتر ہوتا اگر تنقید نگار حضرات اصلاح نگار ہوتے تاکہ تنقید کے معنی ہی بدل جاتے۔ میری التجا کو غلط مطلب کا جامہ نہ پہنایا جائے تو بات اصلاح کی بن جائے گی۔

''وَمَا عَلَیْنَا اِلّا الْبَلَاغ''

وحید مسافر
سری نگر

Mob. 09419064259

نعتیں

دُعا

دعاؤں میں یارب میری وہ اثر دے
خودی مجھ پہ ہو منکشف وہ نظر دے
تسلسل نہ ٹوٹے میری لذّتوں کا!
وہ عشقِ بلالیؓ وہ سوزِ جگر دے
کرے چاک پردہ جو تاریک شب کا
میرے گھر کو ایسا ہی نجمِ سحر دے
بدل جو سکے رُخ مخالف ہوا کا
بلند حوصلہ مجھ کو علم و ہُنر دے
لبوں سے ہے جاری دُعا ایک مولیٰ
شہادت کا کلمہ ہی زادِ سفر دے
نظامِ محمدؐ کی خوشبو سے مالک
ابد تک دو عالم کو معمور کر دے
تیرا فیصلہ حرفِ آخر ہے مولیٰ
شہادت میرے حق میں تحریر کر دے
سلیقہ عطا کر دُعا مانگنے کا
الٰہی مسافرؔ کو دردِ جگر دے

نعت

نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے آئے رسولؐ
زندگی کا اِک مکمّل ضابطہ لائے رسولؐ

کھل گئے ہم پر جو اسرارِ حیات و کائنات
ذہن و دل کو کرگئے روشن سخنہائے رسولؐ

بن گئی گہوارۂ امن و اماں یہ زندگی
آپ کے انداز جب دنیا نے اپنائے رسولؐ

موسموں کے ساتھ ان کے پھول بھی مُرجھا گئے
انقلابِ وقت پر ہنستے ہیں گلہائے رسولؐ

منتشر پھر ہوگیا انسانیت کا قافلہ
ڈھونڈ کر پھر لایئے نقش کفِ پائے رسولؐ

اُس سے بڑھ کر کس کی ہوگی کامیاب یہ زندگی
جس سے خوش ہو جائیں آقا جس کو مل جائے رسولؐ

ہم میں یہ تفریق کیسی نفرتیں ہیں کس لیے؟
میں بھی شیدائے محمدؐ، تو بھی شیدائے رسولؐ

دل وہی دل ہے جو اس کے غم سے واقف ہو وحیدؔ
سر وہی سر ہے بھرا ہو جس میں سودائے رسولؐ

نعت

غزل گوئی نہیں یارو میں نعتِ مجتبیٰ لکھوں
شکستہ حال ملّت کی کہانی تو ذرا لکھوں

فرشتے بھی بڑی تعظیم سے اُن پر ثنا بھیجیں
ادب سے اے قلم نعتِ امام الانبیاء لکھوں

لرزتا ہوں خیال آتا ہے جب جب نعت لکھنے کا
سراپا نور کا کیسے کروں میں حق ادا لکھوں

جسے قدرت نے بخشی حکمرانی ہے قیامت تک
اُسی رحمت کے پیکر مہربان کی میں ثنا لکھوں

یہ سچ ہے انبیاء میں کچھ تفاوت ہے نہیں لیکن
غمِ اُمّت سے اُن کی شان سب سے ہے جدا لکھوں

چمن پھولا پھلا اسلام کا ہے خونِ اطہر سے
بلالؓ و حمزہؓ پر وہ ظلم کی میں انتہا لکھوں

قرآن سے نابلد آقاؐ تیری سنّت سے ناواقف
میں ماہر ہر کسی فن میں فقط دین سے جدا لکھوں

حرم کا پاسباں بھی ہے کلیسا کا پُجاری بھی
مسلمان عصرِ حاضر کاریالوں میں بِکا لکھوں

دوکانوں سے، عدالت سے، سکولوں، کارخانوں سے
جدا قانونِ قدرت کو مسلمان نے کیا لکھوں

حوا کی بیٹیاں میں نے سجائی ہیں دکانوں پر
میرا ہر سانس، ہر اک پل گناہوں سے بھرا لکھوں

مسلمان فکرِ محشر سے ہوا آزاد لگتا ہے
کہاں محفل سجانے سے ہوا ہے حق ادا لکھوں

مقامِ مصطفیؐ سے آشنائی شرطِ اوّل ہے
ادب ملحوظ رکھوں پھر میں نعت مصطفیؐ لکھوں

نعت

امینِ حرم باحیا اللہ اللہ
محمدؐ رسولِ خدا اللہ اللہ

وہ آئے تو آدم کی قسمت ہی بدلی
ہیں محسن میرے مجتبیٰؐ اللہ اللہ

جو آزردہ انسان کی تسکینِ دل ہے
وہ ہادی مربّیؐ میرا اللہ اللہ

غلامی کی زنجیر توڑی ہے جس نے
بلند اُس کا ہے مرتبہ اللہ اللہ

لرزتے ہیں قیصر بھی کسریٰ بھی اُن سے
ہے شانِ محمدؐ جُدا اللہ اللہ

حکومت زمان و زمین پر نبیؐ کی
ہے تن پر شکستہ ردا اللہ اللہ

صداقت، دیانت، شرافت کا پیکر
وہ محبوبِ رب مصطفیٰؐ اللہ اللہ

وہ دور نبوت کہ ہجرت سے پہلے
اُٹھائی مصیبت سدا اللہ اللہ

مجھے یاد آتی ہے طائف کی گلیاں
کیا کس قدر حق ادا اللہ اللہ

وہ گالی کے بدلے دعاؤں کی رحمت
خدا کو پسند یہ ادا اللہ اللہ

کہ بیت المقدس سے عرشِ بریں تک
فرشتے کریں مرحبا اللہ اللہ

مسافرؔ کا نامۂ سیاہ ربِ کعبہ
نہ دیکھیں رسولِ خداؐ اللہ اللہ

نعتِ مقدّس

دردِ دل کا ہے مداوا بس محمد مصطفٰےؐ
رہنمائے دین و دُنیا بس محمد مصطفٰےؐ

وہ شہنشاہ فکرِ امّت جس کو کرتی ہے نڈھال
سارے نبیوں میں ہے اعلیٰ بس محمد مصطفٰےؐ

ربِ کعبہ نے نوازا جس کو ہے القاب سے
کوثر و یٰسین، طٰہٰ بس محمد مصطفٰےؐ

حرفِ اوّل حرفِ آخر ہے وہ ختم الانبیاء
اور یتیموں کا ہے ماوا بس محمد مصطفٰےؐ

عظمتِ معراج کا ہے راز مُضمر اس میں بس
رو بہ رو تیرے خدا تھا بس محمد مصطفٰےؐ

مشرکین رسوا ہوئے جب فتحِ مکّہ ہوگیا
حکمران اب جا بہ جا تھا بس محمد مصطفٰےؐ

وہ مجسّم نور کا رہبر مسافرؔ ہے وہی
آپ سے اکمل ہے کلمہ بس محمد مصطفٰےؐ

نعتِ مقدّس

وہ حوصلہ میں کہاں سے لاؤں رسولِ رحمتؐ کی نعت لکھ دوں
وہ علم و دانش کہاں سے پاؤں رسولِ رحمتؐ کی نعت لکھ دوں

میں پہلے صحرا نشین بنوں پھر دل کے بُت سب توڑ ڈالوں
بلالؓ و حمزہؓ کے زخم کھاؤں رسولِ رحمتؐ کی نعت لکھ دوں

میں جس زمان و مکان کا باسی وہاں کا ہے ہر ذرّہ عاصی!
میں ظالموں کے بھی گیت گاؤں رسولِ رحمتؐ کی نعت لکھ دوں

خدائے برتر کی بندگی سے زندگی بھر میں جی چُراؤں
روزِ محشر کو میں بھلاؤں رسولِ رحمتؐ کی نعت لکھ دوں

دوکان و دفتر، درس گاہوں، عدالتوں پر محیط باطل
زبان تک بھی نہ میں ہلاؤں رسولِ رحمتؐ کی نعت لکھ دوں

مجھے مسافرؔ خبر ہے اس کی تمھاری باتیں تو بے اثر ہیں
مدینے جاکر میں سب سناؤں رسولِ رحمتؐ کی نعت لکھ دوں

خشک و تر سب ہوئے مکدّر چہار سمت ہے. بدگمانی
شراب کی محفلیں سجاؤں رسولِ رحمتؐ کی نعت لکھ دوں



لہو سے رقم ان کی عظمت ہوئی ‏ فرشتوں کو اُن سے محبت ہوئی
وہ فرزند خاتونِ جنّت کے تھے ‏ محمدؐ کی حاصل جو صحبت ہوئی
وہ ظالم کے نرغے میں تھے چار سُو ‏ شہادت سے دین کی اقامت ہوئی
خودی کا یہ کربل سبق دے گیا ‏ فلک سے بھی اونچی ندامت ہوئی
یہ پیغام حسرت نہیں دوستو ‏ وہاں قاتلوں کی ضلالت ہوئی
یہ کس نے کہا وہ پیاسے رہے ‏ پیا جامِ کوثر تراوت ہوئی
کروں کربلا کس طرح میں بیان ‏ قیامت سے پہلے قیامت ہوئی

ہمیں کربلا اِک پیام دے گیا
کہ دین میں وہاں پر ملاوٹ ہوئی

غزل نما نعت

ہے عشقِ محمدؐ میں کچھ اور اثر یارو
کہتے ہیں مدینے کے مرغانِ سحر یارو

جنگل ہو بیاباں ہو وہ شہر ہو گاؤں ہو
ہے امن و سکون کا تو میرا ہی شہر یارو

لمحات کی دنیا میں عشرت نہیں زیبا
یہ سوچ کے کرتا ہوں دن رات بسر یارو

ہو کیسے فرشتوں کی آمد مرے گھر میں
ابلیس جو گھر آئے ہر شام و سحر یارو

ہم پر ہے کرم رب کا دستور سے بالاتر
اللہ نے کیے کتنے نابود شہر یارو

ہے جسم یہاں میرا اور روح مدینے میں
ہو کاش مدینے میں اب میری قبر یارو

میں راہِ حقیقت کا اک ایسا مسافر ہوں
رہتی ہے جسے ہردم منزل پہ نظر یارو

نعت

ملّتِ رسولؐ کو مل گیا دوام ہے
انبیاءؑ کا بن گیا میرا نبیؐ امام ہے

مومنو نبیؐ کے گیت آج گاؤ خوب تم
صلّوا علیٰ نبیّنا قرآن کا پیام ہے

ابو جہل، ابولہب وہ سارے ہونگے تشنہ لب
مرے نبیؐ کے اُمتی کو حوض کا انعام ہے

دین سارے ناتمام، ہیں جہاں میں دوستو
عظمتوں سے پُر فقط رسولؐ کا نظام ہے

زندگی کا ہر قدم رسولؐ کے تحت نہ گر
تو کاروبارِ زندگی کا روز و شب حرام ہے

اُداس ہوں کہ ملّتِ رسولؐ بے بسی میں ہے
منافقوں کے ہاتھ آج قوم کی زمام ہے

تشنہ لب وحیدؔ ہے سفر کا انتظام کر
در پہ آؤں آپؐ کے یہ آرزو تمام ہے

نعتِ مقدّس

شفاعت کے قابل ہوا چاہتا ہوں
یہی اک دعا مانگنا چاہتا ہوں

میں ختمِ رُسل، احمدِ مجتبیٰ سے
اندھیرے میں نورِ ضیاء چاہتا ہوں

یہ عشقِ محمدؐ سُلگتا ہے دل میں
یہی دردِ دل میں سدا چاہتا ہوں

یہ دورِ زمانہ بڑا دل شکن ہے
درِ مصطفٰےؐ سے دوا چاہتا ہوں

قرآن اور سُنّت سے ترکِ موالات
میں اُس وقت کو بھولنا چاہتا ہوں

ہوں مسلم مگر دینِ فطرت سے عاری
خود انجام اپنا بُرا چاہتا ہوں

مسافرؔ سلامت ہے عشقِ محمدؐ
تمنّا ہے کوثر پیا چاہتا ہوں

نعت

سادگی میں دن بِتانا چاہتا ہوں
موت یارب مؤمنانہ چاہتا ہوں
زندگی کے جتنے لمحے اور ہوں!
سب مدینے میں بِتانا چاہتا ہوں
مجھ کو یارب شہرِ افضل لے چلو
میں وہاں کا آب و دانہ چاہتا ہوں
ہے تمنّا اُن کے در کے دید کی!
درد و غم اپنے سنانا چاہتا ہوں
روضۂ اطہر پہ جا کے ایک دن
نعت اُن کی گنگنانا چاہتا ہوں
نامۂ اعمال سے واقف خدا
اپنے محسنؐ سے چھُپانا چاہتا ہوں
ہے اُمم بے بس مسافر چار سُو
یہ خبر اُن کو سنانا چاہتا ہوں



مصطفےؐ کے ان نواسوں کی شہادت کو سلام
دینِ حق سے اِس قدر اُن کی محبت کو سلام
عظمتوں کے ایسے شاہینوں کا کرلوں کیا بیان؟
لامثالی تا قیامت ایسی عظمت کو سلام
ہے مری یہ زندگی کس کام کی سوچوں ذرا!
دردِ دل سے جو مزین ہے اُس شفقت کو سلام
تربیت کا ہے نتیجہ جان و دل قربان ہو!
ہر دو عالم میں شہیدوں کی شہادت کو سلام
ظلم کی ایسی کسی تمثیل سے واقف نہیں
اُن کی عظمت، اُن کے عرفان، ان کی رفعت کو سلام

غزلیات



میرا قاتل ہاتھ میں لایا کھُلا خنجر چلو
آج دیکھیں ہم بھی اپنے قتل کا منظر چلو

قطرۂ شبنم سے سارا جسم اپنا جل گیا
چاندنی کے شعلہ سامانی سے تم بچ کر چلو

فکر و فن کے شاہکاروں کو مٹایا وقت نے
دل کے تہہ خانے میں رکھ لیں اب نئے پیکر چلو

راستوں پر نقشِ پا تم چھوڑکر آنا ضرور
راہ بھٹکے قافلوں کے رہنما بن کر چلو

سیرِ گلشن کا تصوّر خود بخود مٹ جائے گا
تم ذرا کچھ دور میرے ساتھ کانٹوں پر چلو

پردہ پوشی سے حقیقت کو بدل سکتے نہیں
رہزنوں کو فرض کرلیتے ہیں ہم رہبر چلو

راہِ حق پر گامزن ہوں بس یہی اعزاز ہے
موجِ طوفان میں مسافر صورتِ رہبر چلو



زندگی بھر یہ حسین لمحے گزرکر سوچنا
خار کو گُل دیکھنا شیشے کو پتّھر سوچنا

سامنا کن مشکلوں سے ہے زمین والو کہ تم
آسمانوں کی بُلندی سے اُترکر سوچنا

نشۂ نخوت، خمارِ آگہی، زعمِ اَنا
ہے کٹھن ایسے حصاروں سے نکل کر سوچنا

کون کمتر کون برتر سب برابر ہیں یہاں
ہے خطا شہرِ وفا میں اِس سے ہٹ کر سوچنا

شیوۂ اہلِ وفا ہے زندگی سے کھیلنا
شیوۂ اہلِ خِرد سود و زیاں پر سوچنا

ہے اصولوں پر ہماری زندگی کا انحصار
ہر قدم پر امتحان ہے یاں مسافر سوچنا



ہم ہی زخموں کو سہلا کر دل کے پس منظر میں رکھتے ہیں
پسِ پردہ یہ گھر کے راز اپنے گھر میں رکھتے ہیں

یہ ہیرے اور یہ موتی کوئی قیمت نہیں رکھتے
ہم ایسا گوہرِ نایاب چشمِ تر میں رکھتے ہیں

ہمارا ہر عضو زخمی ولیکن اُف نہیں کرتے
کمالِ ظرف ہم اپنے دلِ مضطر میں رکھتے ہیں

گوارہ کس طرح کرلیں چمن کا قید خانہ وہ
چمن والے جو آزادی کا سودا سر میں رکھتے ہیں

ابھی نغمہ سرا طائر ہیں صیّادوں کے چُنگل میں
ابھی تک حوصلہ پرواز کا وہ پَر میں رکھتے ہیں

ابھی اہلِ خرد نے جن کے بارے میں نہ سوچا ہو
ہم ایسے حوصلے الفاظ کے پیکر میں رکھتے ہیں

نہ بھٹکیں اپنی منزل سے مسافر اس لیے ہر دم
دیا روشن سدا ہم لوگ بحر و بر میں رکھتے ہیں



مجھے بھی شاملِ فریاد کرنا
اگر فرصت ملی تو یاد کرنا

نگینہ جان کر مجھ کو سجایا
میں آدم ہوں مجھے آزاد کرنا

بوقتِ مرگ تجھ کو واسطہ ہے
دلِ ناگفتہ بہ کو شاد کرنا

فقیری میں غنا کا ہے تصوّر
دلِ رنجیدہ کو آباد کرنا!

ذرا کھولو یہ دل کے دَر دریچے
مجھے آقا سے ہے فریاد کرنا

مکمل صورتیں انسان ادھورے
گِلہ کس سے دلِ ناشاد کرنا

مسافر! ناخدا سے مانگنا تو
ہے لمحاتِ سفر برباد کرنا!



آئینے میں روز اپنے آپ کو ڈھونڈا کرو
اپنے چہرے کے نمایاں داغ تم دیکھا کرو

تم نے پتھر کو نگینہ ہی سمجھ کر چُن لیا
ہر نگینے کو کسوٹی پر ذرا جانچا کرو

جو تیری قسمت میں ہوگا لازماً مل جائے گا
تم خیالوں کے سمندر میں نہ یوں اُترا کرو

خوش نصیبی کا ہے عالَم اب تری تقدیر میں
تم مقدّر کی لکیروں سے نہ یوں چھیڑا کرو

مقصدِ شعر و سخن ہے دردِ دل کو بانٹنا
اپنی فکر و غم کو یارو مجھ سے تم بانٹا کرو

ہے تقاضا عمر کا تم سوچنا کچھ دیر تک
تم سرِ بازار تنہا نا کبھی گھوما کرو

دل کا عالم تو مسافر ہے عجب سا معاملہ
تم حقیقت کو کبھی پردے میں نا لِپٹا کرو



جو غزل تو نے ابھی گائی بہت اچھی لگی
تیرے غم کی خود ستائی بھی بہت اچھی لگی

جس قدر ممکن ہوا میں نے نبھائی دوستی
زندگی میں اب مجھے تنہائی بہت اچھی لگی

ڈوبنے کے واسطے ساحل کہاں ہیں کام کے
بیچ ساگر کی وہ گہرائی بہت اچھی لگی

شدتِ تشنہ لبی تھی، اور تھا صحرا سفر
اُن شہیدوں کی وہ سچائی بہت اچھی لگی

دوستی میں تو مسافرؔ چاہیے قلبِ سلیم
اب خیالِ یار کی پرچھائی بہت اچھی لگی



دردِ دل کی ڈھونڈ کر میں اب دوا لے آؤں گا
چشمِ پُرنم، سوزِ دل، درسِ وفا لے آؤں گا

میری راہوں میں اندھیرا تو بہت ہے ہر جگہ
قریہ قریہ شمعِ اُلفت اور ضیاء لے آؤں گا

جن کے چہروں سے مسرّت اب کے غائب ہوگئی
اُن کے آنگن میں خوشی کا اک دیا لے آؤں گا

دل کا جذباتی تصوّر یادِ ماضی ہوگیا
دورِ حاضر کے موافق کچھ نیا لے آؤں گا

یہ تصوّر ہے مسافر زندگی کا اِک نشان
ہوش والے جو ہوں عُریاں میں قبا لے آؤں گا



ہر نظر ششدر یہاں اور ہے پریشان ہر کوئی
آدمی کے حال پر ہے دیدہ گریاں ہر کوئی

زخم اپنوں نے دیے غیروں سے کیا شکوہ کریں
اپنے ہی گھر میں ہے بے بس اور ہراساں ہر کوئی

ایک مدّت سے ہے خاموشی میرے اس شہر میں
اپنے اندر سہہ رہا ہے ایک طوفان ہر کوئی

شب کی تاریکی میں خُفتہ ساری بستی ہوگئی
صبح اُٹھ اُٹھ کر جو دیکھا تھا پشیمان ہر کوئی

دل کی دھڑکن سے ہے قائم زندگی گر دوستو
پھر میری بستی میں کیوں ہے آج بے جان ہر کوئی؟

کیوں مسافرؔ کر رہے ہو شکوۂ بے جا یہاں
کون کس کی لے خبر چاک گریبان ہر کوئی؟



ہم نے رقم کیے ہیں حالات زندگی کے
تم پر بھی کچھ فرائض عائد ہیں بندگی کے

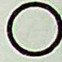
لیل و نہار اپنے ہم کو بتا رہے ہیں
درد جگر میں پنہاں اسرار ہیں خودی کے

وہ بہہ رہے ہیں جیسے طغیانیوں میں تنکے
ساحل پہ گا رہے ہیں ہم گیت بے بسی کے

عقل و فہم کے کرلو اک بار وا دریچے
صحرا میں کھِل اُٹھیں گے گلزار پھر خوشی کے

میرا قلم بھی عاصی میرا ادب بھی عُریاں
سامان کررہا ہوں بے حال زندگی کے

فکر و عمل مسافر یاں بن گئے قدامت
عریانیت کے خوگر انسان ہیں اس صدی کے



یہ میرے شہر کا دستور ہوگا
کہ ہر اِک فرد یاں بے نور ہوگا

شہنشاہی ہماری اُس جگہ ہو
کہ ہر گاؤں جہاں محصور ہوگا

محافظِ مال و جان عصمت کا یارو
کہاں معلوم تھا مغرور ہوگا!

حکمران کو خدائی کا گمان ہے
انا الحق جو کہے منصور ہوگا

چلو پھر اِک نئی بستی بسائیں
وہاں جو بھی رہے مسرور ہوگا

یہ گلشن ہو خدایا رشکِ جنّت
جہاں پر ہر کوئی مستور ہوگا

رقم جو بھی کرے حالِ رواں وہ
مسافرؔ بس وہی مشہور ہوگا



لمحوں میں بدلتے ہیں تقدیر سُنا ہم نے
اعمال کی کرتے ہیں تشہیر سُنا ہم نے

خاموش زباں لیکن آنکھوں سے عیاں سب کچھ
پُرشکوہ اُمم کی ہے تصویر سُنا ہم نے

اس بحرِ تلاطم میں اِک موجِ وفا بھی ہے
ہے خواب تغافل کی تعبیر سُنا ہم نے

بجلی بھی گری آکر مفلس کے نشیمن پر
باطل کی ہے اس میں بھی تدبیر سُنا ہم نے

ہر بزم میں دیتے ہیں نعرۂ وَاعْتَصِمُوْا
کیا خوب کیا کرتے تقریر سُنا ہم نے

احساس کے پردے کا لکھا تو پڑھو جاکر
رفتارِ زمانہ کی ہے تحریر سُنا ہم نے

ہے شوقِ شہادت سے لبریز مسافرؔ دل
کچھ ذوقِ قلم میں ہے تاثیر سُنا ہم نے



دردِ دل سے پُر غزل سُناتے ہیں
زخم دل کے تجھے دکھاتے ہیں

ہم تو اپنوں سے اس قدر سہمے
پیاس آنسوؤں سے ہم بجھاتے ہیں

لوگ دکھ درد کا کریں چرچا
ہم سیاہی میں غم چھپاتے ہیں

کتنی کمزور ہے زمین اپنی
بار بار اِس پہ گھر بناتے ہیں

شعلہ زن ہوگیا میرا مسکن
چشمِ نم سے اسے بجھاتے ہیں

جرم جن سے ہوئے مسافؔر وہ
کیوں گریبان میں غم چھپاتے ہیں



تم نہ راہوں میں کانٹے بچھایا کرو
ہر کسی کو صحیح راہ دکھایا کرو

جب محبت سے کوئی پُکارے تمھیں
خندہ رو ہو کے تم پاس جایا کرو

یہ جو پردہ نشیں ہیں ترے شہر میں
اِن کو آنکھوں میں نہ ہر دم سمایا کرو

لمحے لمحے کا دینا پڑے گا حساب
دوستوں کو سبق یہ پڑھایا کرو

دردِ دل کا مداوا ہے ممکن تبھی
روزِ محشر سے گر خوف کھایا کرو

دے رہے ہو خودی کا اگر مشورہ
کرکے احسان مت پھر جتایا کرو

سچی راہوں میں کانٹوں کی بھرمار ہے
حق کے گیتوں کو تم گنگنایا کرو

گر مسافر نہ تیرا کوئی ہمسفر
تم سفر میں خدا کو بُلایا کرو



تپتے صحرا بھی دیکھے ہیں، پھلواڑی بھی دیکھی ہے
آنسوؤں کی برسات میں ہم نے دنیا ہنستی دیکھی ہے

پل بھر برسی بارش بھی اور دھوپ کھِلی میدانوں میں
ہم نے موجوں سے بھی کھیلا آندھی دیکھی ہے

غیروں سے کیا کرلیں شکوہ رنجیدہ ہیں خود اپنے ہی
راہیں بدلیں ڈور سے جب بھی صورت میری دیکھی ہے

چہرے کچھ مُرجھائے جب بھی ساگر سے اِک بوند ملی
آنکھیں شعلوں کے مانند اور صورت پھیکی دیکھی ہے

دریا کیا چیز ہیں اب کے برسے ساگر آنکھوں سے
اُلٹی گنگا ہر پل ہم نے جب بھی بہتی دیکھی ہے

بستی بستی، گلشن گلشن سیر مسافر کرتا ہے
مسکانوں کے پیچھے اُس نے موت سی طاری دیکھی ہے



اندھیروں میں کیے روشن دِیے ہم نے امنگوں کے
چمن خونِ جگر دے کر سجائے ہیں اُمّیدوں کے

مری بستی کا ہر چہرہ کتاب وا کی صورت ہے
نگر میں ہر طرف بکھرے ہیں ورقے اب فسانوں کے

نہیں حدِّ نظر میں ہے کہیں آباد گھر کوئی!
مکان سب مثلِ مدفن ہیں یہاں گویا مکینوں کے

شریکِ کارواں جن کو بنایا تھا وہی آخر
بصورتِ سانپ ہی نکلے وہ آخر آستینوں کے

یہ ممکن ہی کہاں یارو کہ اب ہم چین سے سوئیں
لہو کا رنگ ہاتھوں پر ہے تازہ پہریداروں کے

سحر ہونے سے پہلے ہی شبِ تاریک مرتی ہے
زمین پر پھر نہ آتے ہیں کبھی سائے اندھیروں کے

تلاطم خیز موجوں میں اُتاری پھر سے کشتی ہے
مسافر دیکھ لیں منظر ہم اپنے ہی نصیبوں کے



کسی نے چاند کے چہرے پہ ادنیٰ سا نشان دیکھا
مصوّر کے تخیّل کا عجب یہ بھی سماں دیکھا

ترے خاموش چہرے پر شکن ہے نااُمیدی کی
کئی پوشیدہ رازوں کو یہ کرتی ہے عیاں دیکھا

میرا چھوٹا سا گھر مجھ کو بہت پیارا لگا جب سے
خس و خاشاک کی صورت جو اُن کا وہ مکان دیکھا

تصوّر جس کا خوابوں نے دیا تھا مجھ کو راتوں میں
اُجالوں میں اُسی پیکر کو میں نے خود عیاں دیکھا

میں پہلے سے تمھارے شوق میں محوِ تماشہ تھا
نہیں بحرِ تذبذب میں کوئی سود و زیاں دیکھا

مسافرِ عشق کا جذبہ، یہ طاعت، کامرانی ہے
یہی دریائے رحمت ہے جسے ہم نے رواں دیکھا



تلخیاں میں زندگی بھر دوستو سہتا گیا
رفتہ رفتہ عمر کا سورج بھی یوں ڈھلتا گیا

زندگی یکسر تصوّر کا تو ہے اِک آئینہ
میں کتابش زیست میں یہ داستان لکھتا گیا

ہم نے کب سوچا تھا اپنے باغ کو بنجر کریں
خونِ ناحق سے مگر یہ گُلستاں کھلتا گیا

حکمِ مولیٰ سے بدل جاتے ہیں موسم کے مزاج
رب کے آگے یہ زمین کیا آسماں جھُکتا گیا

میری آنکھوں نے کیا اُن کا تعاقب تب تلک
یہ دیا آنکھوں کا میری جب تلک جلتا گیا

کون سنتا ہے میری باتوں کو اتنے غور سے؟
زندگی بھر میں رقیبوں کی کھری سُنتا گیا

لو مسافرؔ جانچ لو یہ برنگ برنگی کائنات
ذرّے ذرّے میں تھا پنہاں راز جو کھُلتا گیا



فاصلوں کو ہمیشہ مٹایا کرو
راستوں کے یہ پتھر ہٹایا کرو

دل جو بہلائے اے شاعرِ خوش نوا
گیت ہم کو وہی تم سُنایا کرو

جو محفل میں لائے خوشی کا سماں
سبق ایسا ہمیں تم پڑھایا کرو

جب کہ شیریں زبانی میں ہے فائدہ
تیر و نشتر نہ پھر تم چلایا کرو

ماہرِ فن غضب کے ہو تم دوستو
کچھ نہ کچھ فن ہمیں بھی سکھایا کرو

ہو اگر ذہن و دل منتشر دوستو
نعتِ مرسلؐ کو تم گنگنایا کرو

کیوں مسافرؔ تو صحرا نشین ہوگیا؟
اپنی روداد ہم کو سُنایا کرو



باغباں ہی اس طرح پھولوں کو جو مسلا کرے
کون گلچینوں سے پھر یاں شکوۂ بے جا کرے

ہر کسی کے صحن میں ہے مقبرۂ چشم و چراغ
ہر کسی کے گھر میں جیسے موت ہی چھایا کرے

میں نے دشمن کے لیے بھی زندگی مانگی خدا!
اور دشمن مجھ سے میری زندگی مانگا کرے

جو سجائے مقتلوں کو خونِ آدم سے یہاں
تاج اپنے سر پہ وہ تب خود بخود پایا کرے

کچھ مری کوتاہیوں کا یہ صلہ مجھ کو ملا
دوست بن کر وہ مجھے زندان تک لایا کرے

ہے تقاضا وقت کا ہم ہوش میں آئیں تو اب
ابرِ رحمت عالمِ انسانیت کا سایا کرے

چشم تر تنہائیوں میں ہو مسافرؔ روز و شب
فضلِ رب ہی دیدۂ تر سے فقط مانگا کرے



ترے اندر کا شاعر بولتا ہے
ادب کا خاص ماہر بولتا ہے

بیابانوں میں تو بولے نہ بولے
یہ میٹھے بول طائر بولتا ہے

میرے باطن پہ ہے طاری خموشی
ہمیشہ میرا ظاہر بولتا ہے

دلِ رنجیدہ ہے، زخمی جگر ہے
کوئی سنجیدہ ساحر بولتا ہے

بہت ہے سادگی تیری غزل میں
سخن ور کوئی ماہر بولتا ہے

سکونِ دل کی خاطر لامحالہ
یہ کڑوا سچ مسافر بولتا ہے

زبان خاموش میری ہے ولیکن
قلم بے حوف ہوکر بولتا ہے



کس طرح گزرے یتیموں کے یہ لمحے عید کے
کیسے بانٹے پھول خوشیوں کے یہ تم نے عید کے

اہتمامِ دل پذیرائی نہیں ہے اب کہیں
اب میسر خود نمائی کے ہیں جلوے عید کے

ہم نے قربانی کے بکروں کو ذبح تو کردیا
بے کسوں کے نام کس نے کھولے کھاتے عید کے

کتنے پھولوں کو مَسل کر رکھ دیا بھونچال نے
بے سہاروں کے یہ لمحے کیسے گزرے عید کے

ہے تمنّا اب مسافرؔ پھر اُسی اخلاص کی
ہوں اخوت کے نمایاں پھر وہ جلوے عید کے



جب کوئی رختِ سفر باندھا کرے
لوٹ کر آنے کا کیا وعدہ کرے

گلشنِ دل کا یہ بنجر پن تو دیکھ
چاندنی کیا اس پہ اب سایہ کرے

ایک مشتِ خاک ہے اپنا وجود
حکمرانی کا مگر دعویٰ کرے

دردِ دل کا ہے خزینہ میرے پاس
میں سخی ہوں کوئی تو مانگا کرے

جس نے بہلایا میرا دل بار بار
جانے کیوں راتوں کو وہ رویا کرے

میری بستی میں سبھی ماتم کناں
کوئی کیسے بے فکر سویا کرے

تم مسافرؔ کچھ تو لا تحریر میں
امن جس سے پھر یہاں سایا کرے



میں شبِ ہجر میں تاروں کو گِنا کرتا ہوں
اور ماضی کا سسکتا ہوا ساز سُنا کرتا ہوں

مدّتوں بعد میرے گھر میں بہاریں آئیں
اپنے اطراف میں دیوانہ پھرا کرتا ہوں

اُن کی یادوں کو فقط خواب بنا کر رکھا
سامنا ہو تو میں پردے میں چھُپا کرتا ہوں

اُن کے ادراک سے باہر ہیں یہ ساری باتیں
ورنہ کب خط کو میں پیچیدہ لکھا کرتا ہوں؟

اب ذرا غور کرو میری غزل پر یارو
آپ کے شعر بڑے شوق سے سُنا کرتا ہوں

ساری دنیا تو اُلجھتی ہے مسافرؔ اکثر
سچ کو سچ جان کے میں سچ ہی کہا کرتا ہوں



خاک کا پُتلا تھا پہلے اور انسان ہوگیا
آدمی اب آدمی کا دشمنِ جان ہوگیا

اِک زمانہ تھا کہ ہر سُو پھول کھلتے تھے یہاں
اب تو سارا گلستان ہی ایک ویران ہوگیا

تھی شرافت کی مہک یاں ہر شہر اور ہر گاؤں میں
اب تو قابض تختِ شاہی پر بھی شیطان ہوگیا

امن کا ہر اک دھرم دیتا درس تھا اب مگر
ہر کسی کا اب کے درہم دین و ایمان ہوگیا

مغربی تہذیب نے ہم کو غلامی کی عطا
اب ہمارے ہی تمدّن کے یہ شایان ہوگیا

وہ زمانہ تھا مسافرؔ آشتی کا امن کا
یہ زمانہ اب تو یارو ایک زندان ہوگیا



نہ جانے کیوں ہمیشہ وقت نے تنہا کیا مجھ کو
سسکتی آرزوؤں کا خزانہ دے گیا مجھ کو

یہ لمحے زندگانی کے سانحۂ کربلا جیسے
نہ جانے کن گناہوں کی ملی ہے یہ سزا مجھ کو

ترستا رہ گیا ہوں زندگی بھر میں پیار کے خاطر
کہانی درد و غم کی جو سنانی ہے سنا مجھ کو

ترے باغِ اِرم میں پھول ہر سوٗ ہیں کھلے لیکن
مگر مالی نے تحفے میں فقط کانٹا دیا مجھ کو

مسافر کی دعا آقا! رضا مندی تمھاری ہے
قبولِ بارگاہ یارب فقط ہو یہ دعا مجھ کو



اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھیے
جھانکیے خود، دل کے اندر دیکھیے

اب نہیں ہوگا اندھیرا پھر یہاں
عِلم سے روشن ہُوا گھر دیکھیے

ہم کسی کی نکتہ چینی کیا کریں
ہم تو خود ہیں اُن سے کمتر دیکھیے

ہم تمھارے عقب میں رہتے تو ہیں
اب خدا را آپ مُڑکر دیکھیے

پار کرلوں گا یہ دعویٰ خوب ہے
سامنے جو ہے سمندر دیکھیے

اِس قدر ناصح مسافر بن گئے
حال اپنے گھر کے اندر دیکھیے



گناہوں کی حد میں یہ سب خشک و تر ہے
ہوس سے بھری اس لیے ہر نظر ہے

ستاروں کی دنیا پہ ہے چھاپ تیری
غمِ آدمیّت سے تو کیوں بے خبر ہے؟

تری ہر گلی سے متعارف ہوں لیکن
اگر اجنبی ہے تو اپنا نگر ہے

سزا دیجیے چاہے جو بھی سزا دیں
جلایا جو تم نے وہ میرا ہی گھر ہے

مقفّل زبان کو کیا دوستوں نے!
بیاں کے لیے بس یہی چشمِ تر ہے

تیرا کعبۂ دل ابھی پُر صنم ہے
شکایت تمھیں کیوں دعا بے اثر ہے؟

کہاں رہبرِ کارواں لے چلا ہے؟
زمانہ ہُوا کارواں بے خبر ہے

خودی سے کرے آشنا آدمی کو
خدا سے دُعا میری شام و سحر ہے

مسافر تو ہے گامزن سوئے منزل
محبت کی دولت ہی زادِ سفر ہے



اندھیروں سے اُجالوں کا پتہ تم کو ملا ہوگا
طلوعِ سحر نے افشاء یہ رازِ دل کیا ہوگا

تمھارے درد کا درماں کہ مولیٰ کرچکا ہوگا
تمھیں جب آستین کے سانپ نے ہی ڈس لیا ہوگا

تمھیں صدیاں لگی ہوں گی یہ سب حالات لکھنے میں
پھر ان برسوں میں دریا سے بہت پانی بہا ہوگا

کسی نوخیز نے آکر تری تضحیک کی ہوگی
تمھیں جرمِ ضعیفی کا یہی بدلہ ملا ہوگا

شبِ فُرقت کے لمحوں کو گنوں گا جب مرے ہمدم
تری یادوں کا روشن پھر کبھی تو اک دِیا ہوگا

کوئی تنقید کرتا ہے فقط تعمیر کی خاطر
مگر کم ظرف لوگوں کو اِسی کا تو گِلہ ہوگا

مسافر شمعِ اُلفت کو فروزاں کر کے تم رکھنا
کہ انجانے سفر میں یہ تمھارا رہنما ہوگا



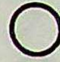
نہ ہو جو صبح گاہی سے ہی واقف دل نہیں ہے
اُسے مولا کی خوشنودی کبھی حاصل نہیں ہے

اندھیروں سے نکالا کس نے اے دل روشنی دے کر
میری فہم و فراست اس راز کے قابل نہیں ہے

نگوں سر روئے ہستی پہ ہوا کرتے ہیں ذی رُتبہ
تکبّر ہو جسے وہ آدمی عاقل نہیں ہے

نہ بندوں میں کوئی بندہ ہے کامل کارِ دنیا میں
سوائے ربِ عالم کے کوئی کامل نہیں ہے

مسافرؔ! تم نے دیکھے خود ہزاروں غازیِ گفتار
مگر کردار کا غازی کوئی شامل نہیں ہے



جستجوئے یار میں ہم در بدر ہوجائیں گے
حال سے بھی اپنے شاید بے خبر ہوجائیں گے

اپنے مستقبل کا یہ کس نے اس طرح سودا کیا؟
کیا پتہ ویران کتنے اب شہر ہوجائیں گے

جب رقیبوں کے محلے سے گزر جاؤ گے تم
دل کی دھڑکن تھام لینا باخبر ہوجائیں گے

بے کفن لاشوں کے مدفن دیکھ لیں گے لوگ جب
خون کے آنسو بہتے بہتے بے صبر ہوجائیں گے

مسکرانے میں ہی پنہاں دردِ دل کا ہے علاج
غم کی آندھی کے تھپیڑے خود بے اثر ہوجائیں گے

درمیانِ دوستاں غم بانٹ لوگے تم اگر
اشک بھی آنکھوں سے ٹپکیں تو گُہر ہوجائیں گے



لمبی جب وہ راتیں ہوں گی
ساتھ نہ جب سوغاتیں ہوں گی

بربادی کے چرچے ہر سُو
اندھیاری یہ راتیں ہوں گی

تالے ہوں گے ہونٹوں پر جب
انگ انگ سے بس باتیں ہوں گی

ہوں گے آقا نوکر یکساں
شرمندہ سب ذاتیں ہوں گی

پونجی کچھ بھی ساتھ نہ ہوگی
اور سزا کی باتیں ہوں گی

دیکھ کے منظر دہلیں گے دل
ضائع جب خیراتیں ہوں گی

محشر کا وہ منظر ہوگا
ہونٹ ہلیں نا باتیں ہوں گی

لرزہ جان مسافرؔ ہوگا
محشر کی جو ساعتیں ہوں گی



بزمِ خوباں میں جو دیکھا پیچ و خم کا اہتمام
ہم نے پایا ہے یہی اب چشمِ نم کا اہتمام

آپ کی بے اعتنائی سے ہوں ظالم آشکار
ہے یہی بالآخرش کیا میرے دم کا اہتمام

ہوں شکارِ تشنگی میں روزِ اوّل سے ندیم
وقتِ آخر اب تو کرلو جامِ جم کا اہتمام

ہوگئی حد سے ہے باہر قوتِ برداشت اب
واسطے اللہ نہ کرلو پھر ستم کا اہتمام

کیا فراق و فکر میں گزرے ہیں میرے روز و شب
آپ نے جب سے کیا ہے میرے غم کا اہتمام

خواہش دل ہے کہ لکھ دوں آج میں احوالِ دل
آپ کرلو اب میرے زورِ قلم کا اہتمام

روئے ہستی پر مسافرؔ عمر بھر نالاں رہے
عمر بھر دیکھا کیے بس رنج و الم کا اہتمام



جب وہ نظریں چُرا کر نکل جائیں گے
راہ چلتے ہوئے پھر مچل جائیں گے

راستے اپنے خود ہی تلاشیں گے وہ
مشکلیں آ گئیں تو سنبھل جائیں گے

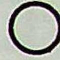
تیرگی ہر طرف ہے مگر ایک دن
ماہِ تاباں کے رستے بدل جائیں گے

جب کسوٹی پہ اُن کی اُتر جاؤ گے
دشمنوں کے ارادے بدل جائیں گے

گر حقائق بھری داستان ہو بیان
لوگ سُن کر اسے پھر بہل جائیں گے

عقل و دانش کے ہیں مدعی شہر میں
تم حقیقت کہو تو اُچھل جائیں گے

اُن کی راہیں مسافرؔ نہ مسدود کر
وہ تو منزل بدل کر نکل جائیں گے



دل لگانا عذاب ہے یارو
جیسے صحرا سراب ہے یارو

جس کو سمجھا تھا ایک ندیا میں
وہ تو گہرا چناب ہے یارو

امتحان کی گھڑی آئی پر
نامکمل نصاب ہے یارو

ہم نے سمجھا تھا پُرسکون جس کو
وہ بھی خانہ خراب ہے یارو

اپنی ہر پل کا ہم کو محشر میں
جاکے دینا حساب ہے یارو

زندگی دیکھ لو مسافر کی
ایک کھُلی کتاب ہے یارو



کیوں نہ کرلیں آخرت کی بات اب
فکر کرلیں کیا ہمارے ساتھ اب

دن تو روشن تھا مگر اب ڈھل گیا
آنے والی ہے جو آگے رات اب

پڑ گیا پالا جمودِ ذہن سے
کچھ نہ آیا ہے ہمارے ہاتھ اب

یوں شریکِ بزم ہونا تھا مگر
وائے کیا آئیں بِنا سوغات اب

گھر ہمارے بن گئے ہیں مے کدہ
حسرتا بدلے ہیں کیا حالات اب

مُلحدانہ ہے مزاج بندگان
ہم بھی دیتے ہیں اِنہی کا ساتھ اب

ربّ کعبہ سے مسافرؔ مانگ لے
عفو کی کرلے عطا سوغات اب



انوکھا اُن کا یوں طرزِ بیان ہے
مآلِ عیش سے خالی زبان ہے
جسے بچپن سے ہم سب جانتے ہیں
زمانہ ہوگیا اب وہ جوان ہے
نشانی جس کی لے کر تم چلے ہو
وہ اب اِس شہر میں رہتا کہاں ہے؟
چمن میں پھول کانٹوں کا یہ سنگم
بڑے دل چسپ منظر کا سماں ہے
ترے رُخسار پر شبنم کے قطرے
یہ شاہد ہیں تجھے دردِ نہاں ہے
اماں یہ بے رخی، اچھی نہیں ہے
یہ مانو تم کہ یہ کارِ زیاں ہے
اندھیروں میں اُجالا کرنے والا
وہی جو خالقِ دونوں جہاں ہے
تجھے فرسودگی سے کیا مسافر
حقیقت اس جہاں کی تو عیاں ہے

طرحی غزل

کیا تماشے ہم نے دیکھے سازشوں کے شہر میں
''ہم پہ ہیں الزام کتنے حادثوں کے شہر میں''

ہم نے عریانی کے منظر اس قدر دیکھے ہیں دوست
کس قدر بے بس ہوئے ہم عاشقوں کے شہر میں

یاد ہے مجھ کو مرے گاؤں کا منظر آج تک
کیا نہ کیا کھویا ہے ہم نے دوستوں کے شہر میں

قتل گاہِ زیست میں بچنا ہے تیرا معجزہ
ہو سلامت کس طرح تم قاتلوں کے شہر میں

ہے نہیں پہلا سا جذبہ قوتِ رفتار میں
چل رہا ہوں گس و ناگس فاصلوں کے شہر میں

مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا ہر گام پر
راستے پُرپیچ ہیں کیا زاویوں کے شہر میں

ہے نہیں پہلی سی رونق کھیت اور کھلیان میں
بارشیں ہوتی نہیں ہیں بارشوں کے شہر میں

کیوں مسافر منتشر اہلِ قلم ہیں سب یہاں؟
خود پریشان ہیں یہ عاقل پاگلوں کے شہر میں



بن مسافت طے کیے ہی ہم کو منزل چاہیے
اور کوشش سے قبل ہی جگہِ کامل چاہیے

دردِ دل، دردِ جگر، دردِ جہاں کے واسطے
صورت و سیرت میں پھر اِک آہنی دل چاہیے

ہے بُرائی اور بھلائی میں تفاوُت بے شمار
ہے ضروری امتیازِ حق و باطل چاہیے

پُرسکون ہوکر نہ سونا ذی ہُنر تیراک تو
موج دریا کے لیے اِک مردِ کامل چاہیے

پھر جفائے یار پر حرفِ گِلا واجب نہیں
کیف وکم اے دوست اس میں لطفِ واصل چاہیے

ہے تلاطم خیز موجوں سے مسافر سامنا
ذہن و دل ہوشیار اپنا پھر مقابل چاہیے



لگ گیا الزامِ مدہوشی بہت بہتر ہُوا
محفلِ یاراں میں ہم جب بھی گئے اکثر ہُوا

مانیے کس کو زمانے کا مسیحا دوستو
اِن کی آمد سے گلستاں آخرش بنجر ہُوا

آدمی لگتا ہے پیاسا آدمی کے خون کا
یہ دلِ انسان کیونکر آج پھر خنجر ہُوا

کون ہے سرزد خطائیں ہوگئیں جس سے نہیں
ایک اپنی ہی خطا پر کیوں بپا محشر ہُوا؟

کس لیے پُرنور چہروں پہ ہے چھائی مُردنی؟
کس لیے چہرا بہ چہرا سوز کا دفتر ہُوا؟

باہمی گُفتار میں شیریں کلامی چاہیے
ایک حرفِ بے مروّت دوستو پتھر ہُوا

تھا جو اوجھل کل تلک دنیا کی نظروں سے مگر
یک بہ یک کیسے یہ آنا باعثِ منظر ہُوا

جبر و استبداد پر آہ و فُغان جو بھی کرے
شب کی تاریکی میں اُس کا راکھ پھر سے گھر ہُوا

ہر نفس پوچھا کیے دفتر، دُکان، بازار میں
یہ تماشا کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ کیونکر ہُوا؟

اب خدا کو پوجنے والا مسافر کون ہے؟
اب کلیسا اور کعبہ کا الگ منظر ہُوا



جب غموں سے ہی کِنارہ ہوگیا
دوستو میں بے سہارا ہوگیا

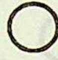
ہوگئی جب آپ سے گفت و شنید
کچھ تو جینے کا گزارہ ہوگیا

رنگ لائے گا یہ موسم بالیقین
ربِّ عالی کا اشارہ ہوگیا

کس قدر اپنا مقدّر ہے عظیم
دشمنوں سے پھر سے یارا ہوگیا

میرے خاطر باعثِ کیف و نشاط
آپ کا آنا دوبارہ ہوگیا

قتل و غارت کا یہ منظر دیکھ کر
کیا مسافرؔ پارہ پارہ ہوگیا



یاد آتا ہے مجھے وہ دشتِ سفر یارو
طوفان کے آنے کی تھی کس کو خبر یارو

میں ہجر کی آتش میں ہر روز سُلگتا ہوں
کیا کچھ نہ ہوا مجھ سے پیتا ہوں زہر یارو

میں روداد سناؤں تو کس کس کو سناؤں اب
مجھے علم نہیں کیا ہو، کل میرا حشر یارو

ہر شے کہ جہاں بھر کی بس اُس کی عنایت ہے
اور گہرے سمندر کے، یہ لعل و گُہر یارو

مولیٰ کی تمھیں ہو گر، خوشنودی ضرورت تو
موزوں ہے جھکاؤ سر تم وقتِ سحر یارو

درِ مولیٰ کے آگے ہی سجدے میں مسافرؔ ہے
ہے اپنے گُناہوں پر، شب و روز نظر یارو



ترے ماتھے پہ قسمت کی کوئی تحریر ملتی ہے
کسی روشن حقیقت کی کوئی تصویر ملتی ہے

بلند تم حوصلہ رکھنا کہ منزل آگئی اب تو
بہت ہی خوش نصیبی سے تری تقدیر ملتی ہے

تمھارے دل میں ہو کیسے غموں کا آشیانہ اب
خدا کے گھر میں خوابوں کی ہمیں تعبیر ملتی ہے

تمناؤں کے ساگر سے یہ بادل ہٹ گئے یارو
کہیں پر دور ساحل سے ہمیں توقیر ملتی ہے

مٹا دو غم کے جالوں کو خدا کی ہے یہی مرضی
مسافرؔ کے اِن شعروں سے یہی تفسیر ملتی ہے



خنجروں پہ یہ سجے سر نہیں دیکھے جاتے
خونِ ناحق کے یہ منظر نہیں دیکھے جاتے

ظالموں کے ہوں یا کہ ہوں مظلوموں کے گھر
بستیوں میں یہ جلے گھر نہیں دیکھے جاتے

ہم طرفدار ہیں حق کے، مصلحت کوش نہیں
گولیوں کے سامنے یہ پتھر نہیں دیکھے جاتے

ہاتھ کُھلا ہو تو لکیریں نظر آئیں اُس کی
بند مٹھی میں مقدّر نہیں دیکھے جاتے

اہلِ دانش کے لبوں پر ہیں فقط تاویلیں
آج وہ دار و رسن پر نہیں دیکھے جاتے

لوگ چہروں سے فقط جانچ لیے جاتے ہیں
اب کسی شخص کے جوہر نہیں دیکھے جاتے

کون سی چیز مسافرؔ اہلِ ہُنر میں جو نہیں
جذبۂ فکر کے گوہر نہیں دیکھے جاتے

نفرتوں کی آگ لگ جاتی جہاں ہے دوستو
تیرگی ہر موڑ پر ہوتی وہاں ہے دوستو

جس نے درہم کرلیا تیرا سکونِ قلب و جان
وہ تیرا دشمن کہ تیرے درمیان ہے دوستو

پھر مزاجِ باد و باران میں ہے تُندی آج کل
یہ ہوائے وقت بھی کیا دشمنِ جاں ہے دوستو

پیکرِ خاکی کی سوچوں میں کہاں اب اعتدال
اِس کی سوچوں میں فقط سود و زِیاں ہے دوستو

میں نے ٹھانی تھی جلا ڈالوں میں ساری بستیاں
گو کہ اس کی زد میں میرا بھی مکان ہے دوستو

ڈوبنے والا ہے بیڑا بحرِ ہستی میں ابھی
میری کشتی تو اِسی کے درمیان ہے دوستو

اے مسافر کیا پتہ کس موڑ پر ہو شامِ زیست
دیرپا ہرگز نہیں عمرِ رواں ہے دوستو



چہرا چہرا میاں پُرضیاء چاہیے
جیسے راتوں میں روشن دیا چاہیے

خواہشوں کی نہیں کوئی ہے انتہا
خواہشوں کی مگر انتہا چاہیے

جس گھڑی کے ہو تم منتظر دوستو
وہ مُسرّت کی ساعت سدا چاہیے

سارے عالم کے حق میں دُعا تم کرو
گر تمھیں بھی کسی کی دُعا چاہیے

دل تو دل ہے کسی کا نہ توڑا کرو
پاس اس کا تو حضرت سدا چاہیے

یوں تو انسان اپنا نگہبان ہے
اس پہ لیکن خدا کی نگاہ چاہیے

گوشہ گوشہ جو گھر کا منوّر کرے
ایسا روشن کہ گھر میں دِیا چاہیے

اب مسافرؔ وہ جوشِ جوانی کہاں
دورِ پیری ہے کچھ آسرا چاہیے



میرے زخموں کو وا کرے کوئی
ٹوٹے دل سے دُعا کرے کوئی

ہے قبا تار تار پھولوں کی
کتنے دامن سِیا کرے کوئی

کوچہ کوچہ گھپ اندھیرا ہے
پھر سے روشن دیا کرے کوئی

کوئی کرتا ہے دل سے دل جوئی
خونِ آدم پِیا کرے کوئی

اب بھی جاگی نہ خود سری تیری
عصمتیں جب فنا کرے کوئی

میں بھی آخر ہوں پیکرِ خاکی
مجھ سے کیوں کر ڈرا کرے کوئی؟

بحرِ جذبات ہیں پُرسکون لیکن
اب تلاطم بپا کرے کوئی

کیوں مسافرؔ سزا ملے ہم کو
دشمنوں سے وفا کرے کوئی



دولتِ دردِ جگر ہو تو غزل ہوتی ہے
چشمِ نم گر سحر ہو تو غزل ہوتی ہے

فکرِ تعمیرِ جہاں ہو موجزن دل میں اگر
اور تیرا یہ قلم بھی نڈر ہو تو غزل ہوتی ہے

تیرے اندازِ سخن میں ہو نیا اک سوز و ساز
اور پھر سینہ سِپر ہو تو غزل ہوتی ہے

حُسن عریاں ہے سرِ دار الٰہی آج کل
حسن پردے میں اگر ہو تو غزل ہوتی ہے

ہر کوئی رنج و الم میں ہے گرفتار یہاں پر
دل یہ ناشادِ جگر ہو تو غزل ہوتی ہے

جذبۂ دل کو مسافرؔ نے عکاسا لیکن
دلِ نادان پر اثر ہو تو غزل ہوتی ہے

وہ خلوصِ دل تمھارا دوستو اب کیا ہوا
ہم سے رشتہ توڑنے کا فیصلہ اچھا ہوا

یوں تو اپنی زندگی تنہا گزرتی ہے مگر
اُس کو تنہا دیکھ کر مجھ کو مگر صدمہ ہوا

دل کے یہ جذبات تم سے کس طرح کرلوں بیان
کتنا مشکل یہ ایامِ زیست کا جینا ہوا

امن کے خرمن جلاکر کیا ہوا حاصل تمھیں
گُلشن کشمیر کا ہر پھول اب کانٹا ہوا

اب مسافر پھر سجالے محفلِ یاراں یہاں
دیکھتا ہوں دور امن و آشتی آتا ہوا



دردِ دل سے لوگ ہوجائیں اگر سب آشنا
دوستی پر پھر کہاں لگ جائے الزامِ سدا

اطمینانِ قلب کا یہ سلسلہ دلچسپ ہے
وُسعتِ قلب و جگر ہو صبر ہو بے انتہا

مانتا ہوں دوست میرے ہیں، مرے شامل سفر
ان کی منزل سے مگر میری تو منزل ہے جُدا

میں کسی کی نکتہ چینی دوستو کیونکر کروں
دیکھتا ہوں روز و شب گھر میں ہی جب میں آئینہ

جرمِ غفلت کی سزا مجھ کو مسافرؔ مل گئی
فضل کی اب بھیک مانگوں تجھ سے اے میرے خدا



یہ الزام مجھ کو دیے کیسے کیسے؟
یہ امتحان مجھ سے لیے کیسے کیسے؟

اگر اختلافِ زر و مال بھی ہو
تو مل جُل کے جھگڑے مٹے کیسے کیسے؟

ہم اپنی زمین پر ابھی خیر سے ہیں
ترے ہم نے قصّے سُنے کیسے کیسے؟

ہوں شاہین اونچی ہے پرواز میری
اماں جال تم نے بُنے کیسے کیسے؟

لبوں پر ہے مُہرِ خموشی وگرنہ
ستم تو نے ہم پر کیے کیسے کیسے؟



دشمنِ جاں بھائی بھائی ہیں مِرے اس شہر میں
کس قدر بے اعتنائی ہے میرے اس شہر میں

دیکھتا ہوں مہ و اختر کو میں اکثر اشک بار
اس قدر مشقِ جفائی ہے میرے اس شہر میں

قتل و غارت کے مناظر ہر طرف کیا عام ہیں
باپ بیٹے کی جدائی ہے میرے اس شہر میں

ہے نہیں زر اور زمین کا آپسی جھگڑا مگر
حق و باطل کی لڑائی ہے میرے اس شہر میں

کیوں مسافر امن کا پرچم لیے پھرتے ہو آج
کیا یہ مٹی رنگ لائی ہے میرے اس شہر میں



بعد ڈھلنے رات کے جب روشنی آجائے گی
بزمِ ہستی میں نئی اک زندگی آجائے گی

یک بہ یک چہروں سے غائب ہوچکی ہیں رونقیں
حوصلے لے کر نئی پھر زندگی آجائے گی

بھیگ جاتی ہیں یہ آنکھیں روز وشب جو ظلم سے
پھر پلٹ کر ایک دن گھر میں خوشی آجائے گی

ہم اندھیرے راستوں پر ٹھوکریں کھاتے گئے
سبز گنبد کی قسم اب چاندنی آجائے گی

دیکھنا اک دن مسافرؔ خود بہ حود تم دیکھنا
پھر سحر کے دوش پر یاں روشنی آجائے گی



ہیں محوِ ثنائے رب مُرغانِ سحر یارو
غافل ہے تو دُنیا میں بس ایک بشر یارو

پابندِ عبادت سب کنجشک بھی شاہین بھی
تمثیلِ اطاعت ہیں یہ شمس و قمر یارو!

اِک ذرّہٗ صحرا ہو یا قطرہٗ دریا ہو!
آتی ہے مجھے ہر شے سجدے میں نظر یارو

اِس عالمِ فانی میں شاہین صفت جو تھے
افلاک پہ کرتے ہیں شب و روز بسر یارو

جب دورِ غلامی ہو روودادِ قفس کیسی؟
گھر گھر ہے جہاں زندان وہ میرا نگر یارو

فرعون کہ ہامان ہو بولہب کہ ہو قارون
ہر دور میں باطل کی ٹوٹی ہے کمر یارو

فرقان مسافر بس آنکھوں کی بصیرت ہے
ہے اُسوہٗ محسنؐ میں تابندہ اثر یارو



نخلِ عالم کو کہا تو نے کہ جنّت نام ہے
ذی فہم انسان یہ تیرا بس خیالِ خام ہے
شکلِ آدم کو بگاڑا خود ہی آدم زاد نے
اے بشر سر پر یہ تیرے آج پھر الزام ہے
بستیوں کا دیکھ کر ویران یہ منظر آج کل
صورت و سیرت میں انسان آج کل بدنام ہے
ملتجی کو کس لیے کرتے ہو ناحق تنگ طلب
رشوتوں کا سلسلہ تو باعثِ دُشنام ہے
دستِ غربا میں تھما دیتے ہو کیوں کشکول تم
دُشمنانِ وطن ہاتھوں میں تمھارے جام ہے
ہر قدم پر آپ نے مذہب کو رُسوا کردیا
اب زبان پر حرفِ احمدؐ اور نا ہی رام ہے
زندگی یہ فلسفہ اب کون سمجھائے تمھیں؟
زندگی کا آخرش بس موت ہی انجام ہے
اب مسافرؔ خامہ فرسائی سے ہو کچھ اجتناب
اب کہاں ہے صبح گاہی اب تو وقتِ شام ہے



دوستی دُشمنی میں بدل ہی گئی
اُن کے دل میں جگہ ہم کو مل ہی گئی

توبہ توبہ یہ ہے وقت کا کرشمہ
کہ، شبِ تار ہم کو نگل ہی گئی

مجھ کو ساحل پہ چاہا ڈبونا مگر
میری کشتی سلامت نکل ہی گئی

زندگی ڈگمگانے لگی تھی مِری
اب تمھارے سنبھالے سنبھل ہی گئی

سُن کے تیرے دہن سے تِری داستان
سوچ میرے سخن کی بدل ہی گئی

ایک مدّت سے سوچوں میں تھا اضطراب
اب طبیعت مسافرؔ کچھ بہل ہی گئی



وہ اپنے راستوں پر چل کر نکل گئے ہیں
جو لوگ ہم سفر تھے وہ رُخ بدل گئے ہیں

اس شہرِ بے سخن میں ہر جا ہے بُغض و کینہ
کچھ تو عداوتوں کے سانچوں میں ڈھل گئے ہیں

پُرخار راستوں پر تم جن کو ڈھونڈتے ہو
منزل کے وہ مسافر آگے نکل گئے ہیں

جن کو گمان تھا یہ کامل سخن کہ ہم ہیں
وہ نامراد دیکھو کیسے پھسل گئے ہیں

دیکھا جو چہار جانب چھایا ہے گھُپ اندھیرا
اس شہرِ بے نوا میں چہرے ہی جل گئے ہیں



کون سمجھے گا ہماری دوستی کے راز کو؟
زندگی کے گیت کو اور ٹوٹے دل کے ساز کو
ہر پرندے میں ودیعت ہے یہ اُڑنے کی صفت
کون اونچائی پہ اُڑنے سے ہے روکے باز کو!
زندگی کے دائروں میں اس طرح الجھے ہیں ہم
کوئی سنتا ہی نہیں افسردہ دل آواز کو
کیوں غزل کو کر رہا ہے قید مے خانے میں تو
اب ذرا اونچا تو کر لے سوچ کی پرواز کو
بزمِ یاراں میں تخیّل کو نکھار آ ہی گیا!
بعد مدّت کے جگایا آپ نے اس جانباز کو
ہم نے مشکل راستوں کو اس قدر آسان کیا
پیار کے نغموں کو گا کر پھر سے چھیڑا ساز کو
شکوۂ بے جا مسافرؔ تیری عادت ہی نہیں
کون سا ہم نام دیں گے تیرے اس انداز کو۔



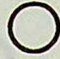
سرِ دریا کوئی نشان اپنا چھوڑا جائے
خودکشی کرنی ہو سلیقے سے ڈوبا جائے

اُن کے کوچے میں بڑی دیر سے خاموشی ہے
زندگی کو پھر شعلوں سے گزارا جائے

عشق کے سیلاب نے توڑی جو یہ دیوارِ ہوس
ایسے حادثات کو پھر سے روکا جائے

لب کُشائی کی اجازت ہی نہیں تری محفل میں
اب غزل کو کون سے ساز پہ گایا جائے

کیوں مسافر دن گزارے ہیں مسافر کی طرح
زندگی سے اب یہ تفریق مٹایا جائے



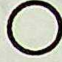
زندگی کی تلخیوں کو ہم بھلا سکتے نہیں
ہر گھڑی ہم درد کا قصّہ سنا سکتے نہیں

کس لیے کرتے ہو ناحق آپ پھر ذکرِ مکان
اِس مکان میں ایک مدّت سے تو ہم رہتے نہیں

پھول، کانٹے اور حُسن و عشق کی رُسوائیاں
بے خیالی میں بھی ایسی شاعری کرتے نہیں

زندگی کے امتحاں کا سلسلہ اتنا طویل؟
اب غم و اُلفت کے قصّے دل کو پھر بھاتے نہیں

ہم تخیّل کے خلاؤں کے مسافر ہیں مگر
زندگی کی سرزمین سے پھر بھی کتراتے نہیں



اپنے جو تھے دور ہوئے　سپنے چکنا چور ہوئے

تنہائی سے اپنی ہم　لڑنے پر مجبور ہوئے

اپنی سُن کر تعریفیں　کیوں اتنے مسرور ہوئے

بندر، بندر ہوتے ہیں　روٹی لی مفرور ہوئے

دو غزلوں کے شاعر بھی　دنیا میں مشہور ہوئے

نعمت دی تھی قدرت نے　اِس پر ہم مغرور ہوئے

خود ہی چُن لیں دیواریں　خود اِس میں محصور ہوئے

کل جو مسافر آئے تھے
آج وہی مفرور ہوئے



رہنما وہ کاروانِ حق رہا ہے ہر زماں
لا اِلٰہ کی عظمتوں کو جس نے پہچانا یہاں

ہم نے دستورِ زماں اپنے لیے خود چُن لیا
مصطفیٰؐ تو دے گئے تھے ورنہ دستورِ قرآں

کچھ تو خاموشی میں پنہاں مصلحت ہوگی ضرور
ورنہ حق گوئی کی خاطر تیرے منہ میں ہے زباں

آبشاروں، کوہساروں، ریگزاروں سے تو پوچھ
قطرہ قطرہ، ذرّہ ذرّہ حق کے سب ہیں ترجماں

مسکراتے ان لبوں پر کیسے کرلیں اعتبار
ہر چمکتی چیز کو کہتے ہیں ہم سونا کہاں

اب مسافر رہزنوں کی اس قدر بھرمار ہے
کارواں کو لوٹنے والا ہے میرِ کارواں



غمِ دل کو چھپانے کا تبسم اک بہانا ہے
مسرّت اور غمِ فرقت کا دل ہی آشیانہ ہے

تصوّر میں تیرا پیکر لیے ہردم میں رہتا ہوں
تخیّل اور نزاکت کا یہ رشتہ تو پُرانا ہے

بھنور سے لے گیا کشتی بچاکر یوں تو ساحل پر
مگر کشتی کنارے سے نہیں آساں بچانا ہے

مجھے آمد کی پہلے سے خبر ارسال کرنا تم
تِری راہوں میں پلکوں کو جانِ من بچھانا ہے

میں ٹوٹے خواب کے ٹکڑوں کی پونجی ساتھ لایا ہوں
مجھے اب زندگی کا فیصلہ تم کو سنانا ہے

تمھارا ہر سخن دل کی جلن کا آئینہ ٹھہرا
مسافرؔ سب رقم کرلو یہ دنیا کو دکھانا ہے



بڑی مدّت سے محوِ خواب تھے کس نے جگایا ہے
چراغِ علم و عرفان ظلمتِ شب میں جلایا ہے

تمھارا ہر ستم ناصح ہمیں منظور ہے لیکن
بتا قاتل نے خنجر کیوں گریباں میں چھپایا ہے؟

اگر گوشہ نشینی تھی تصوّر میں تو پھر زاہد
جبین کو شوقِ فردوسِ بریں میں کیوں جھکایا ہے؟

سزاوارِ خطا آبِ رواں کو مت سمجھ لینا
سفینے کے محافظ نے سفینے کو ڈبویا ہے

چمن والو مبارک ہو یہ گلچینوں پہ گل باری
ہمارے راستوں کو آج کانٹوں سے سجایا ہے

مسافر کوچۂ یاراں سنبھل کر پار کرلینا
رقیبوں نے غضب کا آج کل پہرہ بٹھایا ہے



خود آنسو پی کر بھی کچھ لوگ تو ہنستے ہیں
دل میں جو چبھے اُن کو وہ بات بھی سہتے ہیں

مُنکر نہیں عادت سے گر زہر پلاؤ گے!
امرت کے بھروسے پر ہر جام وہ پیتے ہیں

تم امن کی امیدیں اُن سے نہ لگاؤ پھر
دل تیرا کریں مجروح ہر بات وہ کہتے ہیں

اب علم و ہُنر اُن کا پروان چڑھا ہوگا
اونچی وہ تخیّل کی پرواز بھی کرتے ہیں

جو عشقِ حقیقی کے متوالے مسافر ہوں
بس درد کے گیتوں کو دن رات وہ سنتے ہیں



ادب کو سرحدوں میں بانٹنا دُشوار لگتا ہے
کہ ایسا سوچنا ہی باعثِ آزار لگتا ہے

کوئی ہے آسمان کی وسعتوں کو جس نے ناپا ہو
یہ دعویٰ ہی سراسر بے تُکا، بے کار لگتا ہے

تمھارا حوصلہ کیسے نظر انداز کرلوں میں
وہی صحرا سفر اور دھوپ میں گلزار لگتا ہے

جسے زیرِ نظر ہو احتسابِ زندگی یارو
وہی انسان دنیا سے بہت بیزار لگتا ہے

بھنور سے جو بچا کے لا سکے کشتی کنارے پر
وہی رہبر، بڑا عاقل، بڑا ہوشیار لگتا ہے

مسافرؔ آج کی محفل میں رونق ہے بہاروں سی
کہ ہر شاعر کا ہر مصرعہ ہمیں شہکار لگتا ہے



قتل جو کرتے ہیں ماتم بھی مناتے ہیں وہی
اپنی بربادی کا چرچا بھی کراتے ہیں وہی
مجرموں کے شہر میں جن کو ہے دعویٰ امن کا
بے بسوں کے خون سے ہولی مناتے ہیں وہی
جو شہیدوں کے لہو سے نامور یاں ہوگئے
جاے مدفن پر عمارت اب بناتے ہیں وہی
سادہ لوح جیسے لوگوں کا یہ کرکے استحصال
سبز باغوں کے تماشے پھر دکھاتے ہیں وہی
ہے زبان پر نامِ اللہ اور بغل میں ہے چھُری
قومِ اُفتادہ کو گیتوں سے سلاتے ہیں وہی
مقتلِ شُہدا پہ جاکے تم ذرا کچھ سیکھ لو
سر جھکاتے جو نہیں ہیں سر کٹاتے ہیں وہی
جن عزیزانِ وطن نے دے دیا اپنا لہو
بے رخی پر پار والوں کی چلّاتے ہیں وہی
معذرت چاہتا مسافرؔ ہے حقیقت کے لیے
باندھ لی اُمید جن سے اب رُلاتے ہیں وہی



میرے مدفن پہ رونے کو میرا قاتل بھی آتا ہے
چُرا کے سب سے آنکھیں وہ مجھے آنکھیں دِکھاتا ہے

عجب انداز ہے اُس کا غمِ اُلفت جتانے کا
زباں خاموش رہتی ہے فقط آنسو بہاتا ہے

یہ تتلی کی نزاکت ہو کہ ہو شاہیں کی پروازیں
وہ خالق ہر کسی شے میں ہمیں جلوہ دِکھاتا ہے

سفینہ تیرتا ہے جب بہت گہرے سمندر میں
تلاطم خیز موجوں سے کوئی ہے جو بچاتا ہے

ہماری عقل کے باہر طلوعِ سحر ہے یارو
بھری دُنیا کو روشن کر کے سورج ڈوب جاتا ہے

سبھوں کی آنکھ محفل میں ہوئی نم داستاں سُن کر
بہت ہی سنگ دل ہو کر مسافر کو رُلاتا ہے



ہم کو مقتل میں بُلا کر تو نے تو اچھا کیا
خود تیرے اقدام نے ہی تجھ کو پھر رُسوا کیا

جس سخن ور کی صدارت میں تری محفل سجی
اُس نے اپنی عاقبت کا آج ہی سودا کیا

انجمن سازی ہوئی ہے ہر گلی ہر موڑ پر
قوم کے اِن خیر خواہوں نے ابھی تک کیا کیا؟

موسموں کے اس تغیّر میں ہے پنہاں ایک راز
پہلے بچہ، پھر جوان اور پھر ہمیں بوڑھا کیا

میکدے سے وہ تو لوٹے ہیں مسافر تشنہ لب
میکشوں نے آج بھی ہنگامہ اک برپا کیا



لمحہ لمحہ گزر گیا کیسے؟
اور واقف جہاں ہوا کیسے؟

کشتیوں کو جلا کے سوچا ہے
جو تماشہ کیا، کیا کیسے؟

دھوپ صحرا کی ہے سفر لمبا
فیصلہ آپ نے کیا کیسے؟

مجھ کو حیرت ترے قلم پر ہے
بے بسی کا فسوں لکھا کیسے؟

سب مہربانیاں ہیں اپنوں کی
غیر سے ہم کریں گِلہ کیسے؟

آج تاریخ سب رقم کرلو
کل وہ پوچھیں گے یہ ہُوا کیسے؟

فرقہ بندی میں بٹ گئی ملّت
اب مسافر کریں دُعا کیسے؟



آج بھی آدم بِکتا دیکھا باطل کے بازاروں میں
عزت لٹتی دیکھ رہا ہوں عزت کے ایوانوں میں

دورِ تلاطم میں ہر کوئی زندہ لاش کی مانند ہے
ظلم کا تالا ہر اک منہ پر آنسو سب کی آنکھوں میں

خون سے لت پت پاک اصولوں کی خاطر جانباز ہوئے
چین سے ملّت سوئی ہوئی ہے کُفر کے ظالم چھاؤں میں

اُجلے چہروں سے سرکا جو پردہ تو ہم جان گئے
کتنے ظالم پوشیدہ ہیں سونے کی دیواروں میں

دین کی دنیا کی یکسوئی جن کا تھا منشور یہاں
لادینی قوّت نے اُن کو جکڑا ہے زنجیروں میں

راہِ خدا پر چلنے والے خوف و خطر سے چور نہیں
غازی آج بھی سوتے ہوں گے نمرودی انگاروں میں

مانگ مسافر اللہ سے بس اک دُعا تو اپنے لیے
زورِ قلم دے یارب مجھ کو اور اثر اِن شعروں میں



تصوّر میں کوئی خاکہ اُبھر آئے تو غزل لکھنا
کوئی پیکر جو لفظوں میں اُتر جائے تو غزل لکھنا

قلم کاروں نے پیچیدہ مسائل حل کیے اب تک
چمن پھولوں سے ہر سُو جب نکھر جائے تو غزل لکھنا

نہ جانے کیسی الجھن میں ہماری زندگی گزری
بس اِک پل تم ٹھہر جاؤ سنور جائے تو غزل لکھنا

خلاؤں سے اگر تم چاہتے ہو دوستی کرنا!
حدِ افلاک سے اوپر نظر جائے تو غزل لکھنا

مسافرؔ زندگانی کا یہ خاکہ خوبصورت ہے
کسی کے شوخ رنگوں سے یہ بھر جائے تو غزل لکھنا

تیرتی ہیں طفلِ مکتب کے اشارے پر جناب
کشتیاں وہ ڈوب جاتی ہیں کنارے پر جناب

جھیل کا یہ صاف پانی سرخ مائل کیوں ہوا؟
بے زبان ہے حکمرانوں کے سہارے پر جناب

ہاتھ کی اندھی لکیروں پر یقین کرتا ہے جو
مجھ کو آتا ہے رحم ایسے بچارے پر جناب

بادِ تُند میں وہ سمندر میں تو نکلا دور تک
بھول کر پتوار آیا ہے کنارے پر جناب

اپنی بستی سے تو ہوتے بے خبر ہیں لوگ کچھ
زندگی کو کھوجتے ہیں وہ ستارے پر جناب

استقامت زندگی میں آج تک کس کو ملی؟
ہے وجودِ سرزمین ہی اِک غبارے پر جناب

نا اُمیدی کفر ہے اُمید پر جینا وحید
گر تمھیں جینا پڑے نشتر کے دھارے پر جناب



سوچ کر میں مہربانوں میں ابھی شامل ہوا
زندگی میں آج پہلی بار کچھ حاصل ہوا

آرزوؤں اور تمنّاؤں کے شُعلے چھوڑ کر
مطمئن ہر ایک پہلو سے یہ کیسے دل ہوا؟

سادگی کے رنگ میں تو اطمینانِ قلب ہے
الوداع جس نے رِیا کو کردیا عاقل ہوا

زندگی کے روپ گہرائی سے دیکھے ہیں بہت
دردمندوں کے صفوں میں، میں بھی اب شامل ہوا

وہ مسافر بھولے بھٹکے راہ پر تھے گامزن
نسخۂ فرقان لے کر جبریلؑ نازل ہوا



تم تو واقف ہو زمانہ ایک پَل رُکتا نہیں
یہ ہمالہ ہے کھڑا صدیوں سے پر جھُکتا نہیں

تیری دانش میں ہوا ہوگا نہیں یہ واقعہ
جو کمان سے تیر نکلا، لوٹ وہ سکتا نہیں

جس جزیرے پر تری کشتی رُکی ہے دیر تک
اس جزیرے پر کوئی انسان مگر بستا نہیں

جب زمینِ عقل ہو بنجر تو بارش کیا کرے
ریگزاروں میں گلستاں تو کبھی کھِلتا نہیں

ہر مرض کی تو دوا ہے، شک تو ایسا عیب ہے
ساری دنیا میں معالج اِس کا تو ملتا نہیں

ہیں کروڑوں سال سے شمس و قمر محوِ سفر
ان میں کوئی بھی مسافر کیوں بھلا تھکتا نہیں



کچھ عقل کے مارے تو طوفان اُگلتے ہیں
موسم کی طرح یاں کچھ انسان بدلتے ہیں

ہر ایک سے جانے کیوں میں گھل مل جاتا ہوں
وہ دوست ہوں یا دشمن مجھ سے ہی اُلجھتے ہیں

اللہ کی قدرت کا قانون ازل سے ہے
سب اچھے بُرے انسان دنیا میں پنپتے ہیں

بس ایک دُعا مانگی اس دنیائے فانی میں
سب شکوے بھُلا دوں میں، جو دل میں سُلگتے ہیں

میں پھول کی پتّی پر اِک قطرۂ شبنم ہوں
یہ بھونرے پیاسے ہیں جو مجھ سے چمٹتے ہیں

تو دیکھ خلاؤں میں جب تک وہ نظر آئیں
قسمت کے ستارے ہیں ہر آن چمکتے ہیں

میں بحرِ تلاطم کا اِک ایسا مسافر ہوں
جسے چھوڑ کے موجوں میں خود آپ نکلتے ہیں



جب تقاضے سارے قدرت کے بجا ہم لائیں گے
تب قطاروں میں فرشتے لے کے نُصرت آئیں گے

لذّتِ عرفان کیسے ہم تمھیں سمجھائیں گے
یہ وہ شے ہے ہم فقط جنّت میں جا کے پائیں گے

بادلوں کی اوٹ میں ہے چاند گھبراؤ نہیں
کارواں کے اریجوں سے ہم فضا چمکائیں گے

جانتے ہیں ہم یہ راہیں کس قدر پُرخار ہیں
اپنے شعروں سے انھیں ہم ایک دن سلجھائیں گے

ہم ہیں ادنیٰ سے مسافر گو کہ راہِ زیست میں
علم و عرفان کے چمن سے عطر ہم پھیلائیں گے



خدا تو مالکِ دو جہاں ہے
وہی خالقِ زمین و آسماں ہے
سکونِ قلب جس کا ہے محاصل
ملا منزل کا اُس کو ہی نشاں ہے
جسے حاصل محبت کی ہو دولت
خوشا قسمت وہی ہر دو جہاں ہے
ہمیں معلوم ہے ہم قابل نہیں ہیں
تو عاقل ہے یہی تم کو گُماں ہے
ہواؤں کا مخالف رُخ سے آنا
کسی طوفان کا یہ واضح نشاں ہے
حریفوں کا یہ دل آزار کرنا!
شرافت کا تقاضا یہ کہاں ہے؟
مسافر کو تلاشِ اِک رضا ہے
اگر حاصل ہوئی تو جاوداں ہے



مجھ کو تیرے شہر میں کچھ اجنبی عاقل ملے
دشمنوں کی انجمن میں باوفا شامل ملے

علم و عرفان کے قلندر دیکھ کر حیران ہوں
میکدوں کی بن کے زینت جب وہی جاہل ملے

میں نے کشتی ڈال دی پانی میں حرکت بھانپ کر
پُرسکوں ساگر کے باہر پُرخطر ساحل ملے

میں بھٹکتا ہی رہا ہوں گلستاں میں عمر بھر
ریگزاروں میں مگر رہبر مجھے کامل ملے

میں نے سمجھا تھا مسافر ہوں میں تنہا راہ میں
کارواں بڑھتا گیا اور ہم سفر کامل ملے



اِس طرح ہونٹوں پہ اُس کے آج کچھ گفتار ہے
زندگی سے غالباً اپنی ہی وہ بیزار ہے

کیا جہاں میں آپسی جنگ و جدل واجب ہے دوست
دولتِ انمول دنیا میں فقط اِک پیار ہے

روز و شب دنیا میں ہیں بس زندگی کے مخمصے
جس نے سمجھا زندگی کو بس وہی بیدار ہے

دل کے آئینے کو ہرگز یوں نہ لِلّٰہ توڑیے
یہ تو نازک شے ہے کیا یہ قابلِ سنگسار ہے

کیسے کعبہ اور کلیسا کو کریں گے مشترک
ہر جگہ ان میں عبادت کا الگ کردار ہے

تیرے میرے دور کی باتیں پرانی ہوگئیں
آج کل تو آدمی بِکتا سرِ بازار ہے

یہ متاعِ شاعری کس کی مسافرؔ دین ہے
ربّ کعبہ کی محبت کا یہی اظہار ہے



سوکھے پیڑوں کو پانی دیا کیجیے
درد و غم کی خدا را دوا کیجیے

مرنا جینا جہاں میں اٹل بات ہے
باندھ رختِ سفر تم سدا کیجیے

بزمِ یاراں میں آیا ہوں غم چھوڑ کر
اب رقیبو ذرا تم ہنسا کیجیے

ہنستے ہنستے گزاری ہے عمرِ رواں
ہنستے ہنستے ہمیں اب رواں کیجیے

اب اندھیروں کی ہم کو تو عادت ہوئی
اب گلی میں نہ روشن دیا کیجیے

میں مسافر ہوں میرا ٹھکانا کہاں
میرا گھر مجھ کو اب تم دکھا دیجیے



وہ محبت اور اخوت اب کہاں؟
تیرے بندوں میں سخاوت اب کہاں؟
ہم مسرّت اور غم میں تھے شریک
وہ اخوت کی کہاوت اب کہاں؟
ہے کسے دنیا میں قدروں کا خیال؟
ہم میں پہلی سی شرافت اب کہاں؟
پہلے ذکرِ یار تھا وردِ زباں
یارِ جاناں وہ نزاکت اب کہاں؟
آبِ جہلم بھی ہوا اب بے ذائقہ
اس میں پہلی سے تراوت اب کہاں
مسجدوں میس شورِ محشر ہے بپا
وہ ندامت وہ عبادت اب کہاں
ہم نے ماضی میں مسافؔر دیکھ لی
عصرِ نو میں وہ قیادت اب کہاں؟



وہ بھی روداد اپنی سناتا گیا
میں بھی اشکوں کے موتی پروتا گیا

سامنے میکدہ آج دیوانہ وار
جامِ وحدت کیا ہم کو پلاتا گیا

ہے یہ درد و الم کا عجب ماجرا
کیا میں دار و رسن پر لٹکتا گیا؟

میرے ہمدم تِری بے خودی کی قسم
بارِ غم سے میں شب بھر سسکتا گیا

ہے یہ انداز اس کا بڑا دل شکن
میں خود ہی سے خود اُلجھتا گیا

گھر کے دیگر بھی تھے وقت سے آشنا
میں حقیقت کو لیکن چُھپاتا گیا

میں مسافرؔ چھُپاتا گیا زخمِ دل
وہ تو خنجر پہ خنجر دکھاتا گیا



صحرا کے سرابوں نے پشیمان کیا ہے
پیاسوں کو بیابان نے پریشان کیا ہے
امیدِ وفا مجھ کو رفیقوں سے کہاں تھی
غیروں نے زندہ حوصلہ ہر آن کیا ہے
کرتا میں کیسے پار بھلا، بحرِ تلاطم؟
میری انا نے سفر یہ آسان کیا ہے
مسمار میرے خواب ہوئے روزِ اوّل سے
جو کچھ بھی میرے پاس تھا قربان کیا ہے
میں غمِ حیات کا خوگر ہوا ہوں دوست
میں نے خوشی سے پار ہر طوفان کیا ہے
یہ خشک و تر کے زاویے اُس کی ہی دین ہیں
تخلیق اس نے خود بخود انسان کیا ہے
اپنے قلم کو روکیے مت حق بیانی سے
تو نے مسافرؔ وعدۂ ایمان کیا ہے



شاعروں کو یوں حقارت سے نہیں دیکھا کرو
زندگی کے پیچ و خم اُن سے تم سیکھا کرو

فکر میں اُن کی ہوا کرتا ہے درسِ زندگی
قاعدے سے اُن کی سوچوں کو بھی کچھ ناپا کرو

فکر وفن، شاہیں تصوّر کے یہ خالق لوگ ہیں
دردِ عالم سے مزیّن دل کو تم جانچا کرو

عالمِ انسانیت کا ان کے دل میں پیار ہے
بہہ کے اِن کی سوچ میں کچھ آپ بھی سوچا کرو

غالبؔ و اقبالؔ، حالیؔ اور کتنے لوگ ہیں
ان کے پروازِ تخیّل سے تو کچھ سیکھا کرو



ہم تلاشِ آپ میں بھی مبتلا آزار میں
وائے تو رہتا ہے کس دشت و دمن دیار میں

ہم کہ ہیں آتش خیالی میں ابھی محوِ سفر
پہنچنا مقصود ہے بس آپ کے دیار میں

کیا پتہ پوچھا کیے ہیں ذرّے ذرّے سے حضور
گاہِ صحرا میں کہ بھٹکے گاہِ ہم گلزار میں

طائرانِ باغ و بن کے نغمہ ہائے سوز میں
اور پایا ہم نے آدم کی ہی آہ و زار میں

تو کہ ہے موجود ہر جا پر کہیں ملتا نہیں
ہو نہ ہو موجود ہو تو ہر پیکرِ کردار میں

کس لیے تعمیر کرتے ہیں بشر دیر و حرم
جبکہ حرفِ وحدہٗ تو ہے کہ بس اظہار میں

ہے جہانِ شوق کا شیوا کہ تیری بندگی

حاضری دینا ہے مقصد آپ کے دربار میں

روزِ اوّل سے مسافرؔ آپ کا ہے معتقد
کچھ نہ کچھ تاثیر مولا دے مِری گفتار میں



موجِ دریا سے تو پوچھو زندگی کا راز تم
کیوں شکستہ ناؤ پر کرتے ہو اتنا ناز تم

جو زباں پر بات آئی اُس پہ کیا ہے اختیار؟
اب ذرا محتاط رہنا اب نہ کہنا راز تم

ہے بہاروں کا یہ موسم حوصلہ رکھنا ذرا
پھر سے چھیڑو گلستاں میں زندگی کا ساز تم

ہر لفظ تیری غزل کا یوں تو ہے جانِ غزل
سازِ دل چھیڑوں گا میں، گر دے سکو آواز تم

لو مسافر زندگی کا یہ تماشہ دیکھ لو
شامِ غم پھر سے نہ آئے پھر رہو ناساز تم



جس بحر خیالات میں اظہار نہیں ہے
اک بوند بھی اُس آب کی درکار نہیں ہے

جذبات میں ڈوبی ہوئی تقریر کی مالا
لفظوں کا زیاں ہے اگر ایثار نہیں ہے

تپتے ہوئے صحرا کے اُس پار ہے منزل
رستہ اگر پُرخار ہے دشوار نہیں ہے

ہر دور میں خود ساختہ اصنام بھی ٹوٹے
مولیٰ تیری اِک ذات سے انکار نہیں ہے

اس ارض و سماوات کا ہر ذرہ ہے ستارہ
مشکور ہے، مسرور ہے، بیزار نہیں ہے

ہیں مغربی انسان کو سب عیش میسر
انسان ہے پر صاحب کردار نہیں ہے

لوگوں کو نہیں ساتھ مسافر کا گوارہ
بے باک ہے گفتار میں مکار نہیں ہے



جامِ اُلفت پی کے پیاسا ہوگیا
لذّتِ غم سے شناسا ہوگیا!

مجھ پہ الزامِ محبت دے کے اب
بزمِ یاراں میں بھی تنہا ہوگیا

میں جو مئے خانے سے لوٹا دیر سے
حشر سا گھر میں دوبارہ ہوگیا

ہوگئی تحلیل جب یہ تیرگی
کیوں اندھیرا پھر نیا سا ہوگیا

یہ مسافت طے تو کرلی ہے مگر
اپنی منزل سے بیگانہ ہوگیا

زندگی کے باغ میں اِک گُل کھِلا
ریگزاروں میں وہ تنہا ہوگیا

چاند اُترا غمزوں کے صحن میں
سارے گاؤں میں اندھیرا ہوگیا

موسمِ باراں مسافرؔ تُند ہے
جل گیا مسکن تماشا ہوگیا



کچھ تو رکھیے بھرم دل کے جذبات کا
آپ کو علم ہے میرے حالات کا

راستے حق پرستوں کے دشوار ہیں
ساتھ اُن کو ہے ارض و سماوات کا

وہ جو مشکورِ رب روز و شب رہ چکے
اَجر ملتا ہے ان کو عبادات کا

تشنۂ دیدار ہوں ایک مدّت سے میں
کیجیے گا سبب کچھ ملاقات کا

ہوچکا ہوں میں اب خوگرِ حادثہ
دخل اس میں ہے سارا مری ذات کا

غم مسرّت میں تبدیل کرتا ہے جو
باغ قدرت کا ہے وہ نباتات کا

کون سا منہ لے کے محشر مسافرؔ چلوں
خوفِ مولیٰ ہے طاری اسی بات کی



ہے طے یہ تب تلک آنکھوں سے تم موتی لُٹاؤ گے
نہ جب تک جبر و استبداد کو تم خود ہی مٹاؤ گے
نہیں معلوم تھا ہم کو کہ ہم کو وقتِ آخر اب
میرا خونِ جگر ساقی ہمیں تم اب پلاؤ گے
ملے گا بندگی کا یہ صلہ معلوم تھا کس کو
ہمارا خرمنِ اُلفت کہ اک دن تم جلاؤ گے
تمھاری ہر ادا پر دین و ایمان بھی لُٹا بیٹھے
کہ بن کر باغبان کامل میرا گلشن سجاؤ گے
زبان کی تالہ بندی سے تعطّل ہے نہیں ممکن
ہمیں اُمید ہے اب بھی کہ تم آکر مناؤ گے
شبِ ظلمت کی اب تو آخری گھڑیاں بتاتی ہیں
سحر ہوتے ہی آکر تم یہ شعلے سب بُجھاؤ گے
مسافرؔ چشمِ نم سے دیکھتے ہو ظلم کی آندھی
دمِ آخر بھی تم اِس کو نہ بھولے سے بھُلاؤ گے



سرو سوسن اور سمن کو ہے گِلہ
گلشنِ کشمیر ہے یا کربلا

اب نہ رونق باغ و بن میں ہے حضور
روئے تابان پھول کا ہر سو جلا

کون ہے، کس کے بدیں یہ حال ہے
رہنمائے قوم کا ہے یہ صِلہ

ہر طرف آہ و بقا کی گونج ہے
ہے مزاجِ آبِ جہلم برملا

بے سر و سامان کس کی لاش ہے
کفن کا ٹکڑا بھی اس کو نہ ملا

کب تلک دیکھوں مسافر حالِ بد
ایک مدّت سے ہے جاری سلسلہ

لختِ جگر بیٹیوں کے نام

اگر آنکھوں کا پیمانہ چھلک جائے تو کیا ہوگا؟
نکل جاؤ گے گھر سے تم تو گھر پھر بے ضیاء ہوگا

میں ساری زندگی تم کو بُھلا پاؤں بھلا کیسے
کہ جب جب یاد آؤ گے نیا طوفاں بپا ہوگا

قلم بھی رُک گیا میرا ہے لکھنے سے یہ اَب قاصر
ملے گا بس وہی جو بھی مقدّر میں لکھا ہوگا

خدا کا خوف ہر پل تم دلِ شاداب میں رکھنا
اندھیرے راستوں میں بس یہ فرقاں ہی ضیاء ہوگا

متاعِ علم سے تم کو کیا آراستہ رب نے
تمھارا رہنما ہر اِک قدم پر بس خدا ہوگا

قطعات

قرآنِ پاک کا حامل نہیں ہے
خدا شاہد کہ تو عاقل نہیں ہے
بدل کر رکھ دیا قلبِ عمرؓ کو
نہ بدلے دل تیرا تو دل نہیں ہے

قرآن و مصطفیٰؐ تکمیلِ دین ہے
مسلماں کا یہی کامل یقین ہے
عمل سوزِ یقین کا پیرہن ہو
تو مومن حکمرانِ سرزمین ہے



نام : عبدالوحید قریشی

قلمی نام : وحید مسافرؔ

ولدیت : مولانا احمد اللہ قریشی (مرحوم)

مقامِ پیدائش : سری نگر (کشمیر)

پیشہ : فارماسسٹ

مختلف اداروں سے وابستگی:

- اردو بک سوسائٹی، دریا گنج، نئی دہلی-۲
- چراغِ اردو، جموں
- ادبی کنج، جموں
- اردو اکیڈمی، سری نگر (کشمیر)

پتا : چنار باغ، بی. کے. پورا، پوسٹ آفس نٹی پورہ، سری نگر (کشمیر)

رابطہ : (Mob.) 09419064259, 019-42439155

ISBN: 81-89575-15-5